پیغام

اسلامی سال نو مبارک ہو

مولانا محمد شاکر نوری (امیر سنی دعوت اسلامی)

الحمد للہ! نیا اسلامی سال اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ شروع ہو چکا ہے۔ ہر نیا سال اپنے دامن میں خوشیوں کی سوغات لیے جلوہ نما ہوتا ہے یا پھر غم واندوہ اور حزن وملال کے بدنما نقوش سے داغ دار نظر آتا ہے۔ ہمیں اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو سالِ نو کے بدلتے حالات کے لحاظ سے دیکھنا ہے اور اسے خوش نما بنانے کی جد وجہد کرنا ہے۔

گزشتہ سال ہم نے کیا کھویا اور آئندہ سال کے لیے ہم نے کیا منصوبہ بنایا۔ یہ سوال آج اگر اُمت مسلمہ سے پوچھا جائے تو نوّے فی صد لوگ بھی اس کا جواب دینے سے ناکام رہیں گے۔ ہماری قوم بس جی رہی ہے نہ اس کے پاس کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی منصوبہ۔ آخر یہ کب تک چلتا رہے گا۔ جس قوم کا کوئی نصب العین نہ ہو، مقصدِ زیست نہ ہو وہ قوم کامیابی وکامرانی کیوں کر حاصل کر سکتی ہے۔ یاد رکھیں! ہمارا ہدف قرآن مقدس اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دیا ہے بس اس طرف چل پڑنے اور سنجیدگی سے جد وجہد کی ضرورت ہے۔ آج ہر طرف سے ہمارا فرض ہمیں پکار رہا ہے کہ خواب غفلت کی چادر اتار پھینکو، اقامت دین کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ، علم کی شمع روشن کرو، دعوت وتبلیغ کے لیے قریہ قریہ نکل پڑو اور اپنے وجود کو اسلام کی دلیل بناؤ ورنہ فرض سے عدم توجہی تمہیں ذلت ورسوائی کے عمیق غار میں گرا دے گی اور تمہاری صرف داستانیں رہ جائیں گی۔

ذیل میں چند نکاتی پروگرام پیش کیا جا رہا ہے۔ ہم سب کوشش کریں کہ اسلامی سال کو فقط بولنے تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ اس کے تقاضوں پر لبیک کہہ کر صحیح معنوں میں اسے اسلامی سال بنائیں۔ آپ سال بھر اس فارمولے پر عمل کی کوشش کریں ان شاء اللہ ان فارمولوں پر عمل کی وجہ سے ، میرے کریم کے کرم، اس کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ وطفیل یقیناً ہمیں بے پناہ برکتیں اور بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔

☆ نمازِ پنج گانہ کی پابندی کریں اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو کہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقتِ آخر بھی سجدہ ترک نہ کیا۔ ☆ تلاوتِ قرآن کے لیے وقت مقرر کیا جائے اور بلا ناغہ ترجمہ وتفسیر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے۔ دینی کتب ورسائل کا مطالعہ کریں۔ ☆ حسب صلاحیت اسلام کا پیغام عام کرنے کی کوشش کریں۔ اپنا بہتر کردار وعمل لوگوں کے سامنے پیش کریں کہ دراصل تبلیغ اسلام کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ☆ ملازمت میں ذمہ داری کا احساس، تجارت وکاروبار میں دیانت داری کا مظاہرہ ہو اور ہر طرح کی دھوکہ دہی، فریب کاری، خیانت ووعدہ خلافی سے آپسی معاملات کو پاک وصاف رکھا جائے۔ ☆ اچھوں کی صحبت اختیار کریں، علمائے کرام کے بیانات سے استفادہ کریں اور ہمیشہ نیک و صالح شخص کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں۔ ☆ اپنے اچھے کردار وعمل سے ہر وقت قوم وملت کو فائدہ پہنچانے کی جد وجہد کریں، ہر گز کوئی ایسا کام نہ کریں یا کوئی ایسی بات نہ بولیں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا کسی کی دل شکنی ہو۔ ☆ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کریں اور ہر گز دوسروں پر بوجھ نہ بنیں بلکہ غیروں کا ہاتھ بٹائیں اور اپنے بھائیوں کی نصرت واعانت میں کوتاہی نہ کریں۔ ☆ بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص دھیان دیں، انہیں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے ضرور آراستہ کریں، گھر کا ماحول اسلامی بنائیں اور ہر گز خلافِ شرع کام کے قریب نہ پھٹکیں۔ بچوں کی مناسب رہنمائی کے لیے خوب خوب وقت نکالیں اور انہیں ہر کام میں وقت کا پابند بنائیں۔ تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کے اجتماعات میں مع احباب پابندی سے پہنچنے کی کوشش کریں کہ ذکر الٰہی سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے اور تصور ہی تصور میں ہر ہفتہ مدینے کی حاضری کی خیرات مل جاتی ہے۔ نوری قافلوں میں نکل کر حصول علم اور فروغ علم کے لیے بھی جد وجہد کریں۔

﴿......﴾

اداریہ

سانحۂ کربلا: دعوتی منہاج کے چند زاویے

از: توفیق احسن برکاتی مصباحی

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے لکھا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر اپنی معنوی وسعت اور تاریخی صداقت کے لحاظ سے کائنات کے اندر گزری ہوئی اب تک کی تمام صدیوں پر محیط ہے اور آنے والے ادوار میں بھی حق و باطل کے درمیان مقابلہ آرائی دنیا کا مقدر رہوگی۔ حق کی آواز کو دبانے کے لیے باطل اپنی تمام تر توانائی خرچ کرے گا اور چراغِ مصطفوی کو گل کرنے اور اس کی روشنی کی گھیرابندی کے لیے شرارِ بولہبی اپنا آخری حربہ تک استعمال کرتا دکھائی دے گا لیکن دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ حق کو لمبے زمانے تک پریشان تو کیا جاسکتا ہے ایک عرصے تک چھپایا تو جاسکتا ہے مگر مٹایا نہیں جاسکتا۔ تاریخ آدمیت کا ہر دور ہمارے اس دعوے کی صداقت پر ثبوت فراہم کرتا ہے۔ انسانی تاریخ پڑھنے والے ہر ذی ہوش قاری کی نظروں میں حق و باطل کی کشمکش، محاذ آرائی اور حق کی جیت اور باطل کی شکست کے ہزاروں واقعات گھومتے نظر آئیں گے۔

چوں کہ حق و صداقت اللہ عزوجل کی امانت ہوا کرتی ہے، اس کے اندر خالقِ کائنات کا جلال و جمال پوشیدہ ہوتا ہے، رب العٰلمین کی سچی معرفت کے گنج گراں مایہ چھپے ہوتے ہیں اور اس کی کامل شناخت کے جواہرِ غالیہ موجود ہوتے ہیں اس لیے اس میں خرد برد کی گنجائش نہیں ہوتی اگر اس میں کسی طرح کا منفی امکان تلاش کر لیا جائے تو خدا کی معرفت دھندلی ہو جائے گی، دین کا شعور خستہ ہو جائے گا، ایمان و ایقان کے لالے پڑ جائیں گے اور انسانوں اور انسانیت کا سب سے قیمتی خزانہ اس سے چھن جائے گا اس لیے اللہ رب العزت کی جانب سے غیبی طور پر اس عظیم سرمایے کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، حق کو باطل کی آزمائش سے بچانے کے لیے خدائی انتظام کیا جاتا ہے، پریشانیاں آتی ہیں اور اس کو امتحان و ابتلا کے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ہر طوفان کا مقابلہ کرتا ہوا ہر انقلاب کا رخ موڑتا ہے، حق کو بچاتا ہوا منزل مقصود پر گامزن ہوتا ہے بالآخر حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل خائب وخاسر ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بے شمار انبیائے کرام و مرسلین عظام کے احوال جو قرآن و حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں وہ ہماری پیش کردہ باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ دور نہ جا کر خاتم النبین سید المرسلین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں ہونے والی حق و باطل کی معرکہ آرائی کا سنجیدہ ذہن لے کر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حق کو مٹانے کے لیے باطل پرستوں نے وہ کون سا حربہ تھا جو اپنایا نہ ہو، وہ کون سی جدوجہد تھی جو نہ کی ہو اور وہ کون سا طریقہ تھا جو استعمال نہ کیا ہو مگر ہوا کیا؟ ان کی یہ ساری کوششیں فقط تدبیریں تھیں اور اسلام کے فروغ و اشاعت کی تقدیر کام کر رہی تھی۔ تقدیر اس مستحکم چٹان کا نام ہے جہاں تدبیریں ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں تقدیر اللہ کی مرضی اور مشیت ہوا کرتی ہے جبھی تو کسی نے کہا ہے

ع وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چالیس سال تک اپنی ذات، اخلاق، کردار، تعلقات، سماجی روابط، معاشرتی زندگی کے کامیاب لمحات کا عربوں کو قائل کیا تھا۔ ہر کوئی مانتا تھا محمد بن عبداللہ سچ ہی بولتے ہیں، بہت بڑے امین ہیں، اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں لیکن ان تمام حقائق کے باوجود جب انہوں نے کائنات کی سب سے بڑی صداقت اور حق کی عظیم آواز کا نعرہ بلند کیا تو چند کو چھوڑ کر پورا عرب ان کے مخالف بن گیا۔ اب اس حق کو دبانے کا جتن

ہونے لگا، ذہنی وجسمانی، خاندانی وسماجی لحاظ سے بھی انہیں پریشان کیا جانے لگا، سوشل بائیکاٹ کا اعلان ہوا، قتل کا منصوبہ تیار ہوا، وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان سب کے باوجود مخالفین اسلام نے چین کی سانس نہ لی بلکہ ہجرت کے بعد نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنگ بدر، جنگ حنین، تبوک وغیرہ بے شمار جنگیں مسلط کی گئیں اوران غزوات میں دشمن اپنی پوری طاقت ، کثرتِ افراد اور سامانِ حرب وضرب کی فراوانی کے ساتھ آکر پسپا ہوا، اسے ہزیمت اٹھانی پڑی اور ادھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گنے چنے جاں نثاروں کے ساتھ سامان جنگ اور اسباب خورد ونوش کی قلت کے باوجود ہر ہر محاذ پر انہیں شکست دیتے رہے اور نفسیاتی طور پر انہیں سوچنے پر مجبور کیا کہ اگر حق تمہارے ساتھ ہوتا تو جیت تمہاری ہوتی، فتح ونصرت تمہیں گلے لگاتی، تمہارے سپاہی مارے نہ جاتے ، سرداران ورؤسا کو قتل نہ کیا جاتا حتی کہ حدیبیہ کے مقام پر اس دور اندیش نبی نے کفار مکہ سے انتہائی کڑی شرائط پر سن ٦ ہجری میں صلح فرمائی اور دس سال تک جنگ بندی کا اعلان ہوا۔ قرآن عظیم نے صلح حدیبیہ کو سورۂ فتح کی آیت نمبر ١ تا ٦ کے اندر فتح مبین قرار دیا اور بالآخر یہی صلح فتح مکہ کی نوید ثابت ہوئی اور پورا مکہ اسلام اور مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔

اس قدر طویل تمہید کا حاصل یہی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں زندگی کے تمام گوشوں میں اپنا اسوہ چھوڑا ہے ، حالت جنگ وامن کے اندر بھی نبی کا طرز عمل جداگانہ ہے اور ہر اعتبار سے دانائی ، دوربینی ، عاقبت اندیشی اور حکمت وموعظت پر مبنی ہے۔ یہی تو دعوت وارشاد اور دارین کی سعادت افروزی کی کلید ہے جس نے نفسیاتی لحاظ سے اللہ عزوجل پر اعتماد مستحکم کیا، انصاف کو غلبہ ملا، دینی دعوت لوگوں کے سمجھ میں آنے لگی کہ خدائی طاقت پاس ہوتے ہوئے ، کامل اختیار رکھتے ہوئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی بھی مقام پر کتنی ہی خطرناک حالت میں دشمنوں کی ہلاکت کی دعا نہ کی بلکہ ہدایت کرتے رہے جنگ سے بچتے رہے لیکن جہاں ان پر جنگ لادی جاتی تو دفاع میں اپنے صحابہ کے ساتھ ان کے خلاف محاذ بھی قائم کیا اور فتح سے ہم کنار ہوئے۔ اسلام کی فلسفۂ جہاد بھی یہی ہے چونکہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نمونۂ کامل بنادی گئی ہے ایک شفاف آئیڈیل اللہ عزوجل نے آپ کے اخلاق وعمل کو بنایا ہے اس لیے میدان کربلا اور اس کے اندر پیش آنے والا تاریخی خونی معرکہ اور امام عالی مقام نواسۂ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تمام تر جہادی سرگرمیاں اسی اسوۂ رسول کی روشنی میں انجام پارہی تھیں اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجا طور پر نبی کے اس دعوتی منہاج پر چل رہے تھے جو حالت جنگ وامن کے اندر نبی نے پیش فرمایا تھا۔

جنگ کربلا بھی امام حسین اوران کے ساتھیوں اور اہل خانہ پر مسلط کی گئی تھی ورنہ انہوں نے تو صرف مدینۂ منورہ (دیار رسول) سے اپنے سفر کی شروعات کی تھی ، مکہ آئے تھے وہاں سے کوفہ والوں کے بے حد اصرار پر کوفہ کا سفر کیا تھا۔ وہ جہاں تھے انتہائی پرامن تھے، سیادت ونجابت کی دولت ان کے پاس تھی، زہد واتقا کا سرمایہ ان کے ساتھ تھا ، ہر طرح کی محبتیں ، الفتیں ، عقیدتیں ان پر نچھاور تھیں، ہر خوشی ان کے قدموں میں موجود تھی لیکن کوفہ والوں نے التجا کی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے نانہجار بیٹے یزید نے زبردستی ہم سے بیعت لینی شروع کردی ، چند سرکردہ لالچی اس کے ساتھ ہیں، وہ فاسق وفاجر ہے، کسی بھی اعتبار سے بیعت کا اہل نہیں اس لیے ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت کرلیں گے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست ایمانی نے فیصلہ سنایا کہ کچھ بھی ہوجائے میں ان کے پاس جاؤں گا ورنہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن مجھے اس نازک گھڑی میں مجبوراً اور زبردستی میری عدم موجودگی میں یزید کی بیعت کرلینے پر اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑے اور امام نے وہی کیا جو حیاتِ نبوی کے اندر اسوۂ رسول کی شکل میں صبح وشام دیکھا تھا۔ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسلوبِ دعوت کا جو نقشہ ان کے ذہن وفکر میں منقش تھا ، سانحہ کربلا کے پس منظر اور پیش منظر کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلینے کے بعد اس کی چکاچوندھ آج بھی اپنے رخ سے نقاب الٹنے کو تیار ہے۔ اب یہ کہنا قطعاً تاریخ کو جھٹلانا اور حقیقت کو چھپانا

ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا کی جنگ حصولِ اقتدار کے لیے کی تھی ،ان کی منشا حکومت حاصل کرنا تھی ۔ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جسے تاریخ کربلا نے نہ کل قبول کیا تھا اور نہ آئندہ قبول کر لینے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔کوفیوں نے امام حسین سے جو عہد و پیمان کیا تھا اسے یک لخت پسِ پشت ڈال دیا،انہیں ذرہ برابر بھی اس غداری پر پشیمانی نہیں ہوئی ۔ یزید،ابن زیاد اور عمرو بن سعد وغیرہ نے زبردستی امام پر جنگ لادی ،میدانِ کربلا میں انہیں ٹھہرنے پر مجبور کیا،نہرِ فرات کا پانی بند کیا گیا۔جب امام نے دیکھا کہ اب جنگ کے سوا کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی تو اتمامِ حجت کے لیے تشریف لے گئے ،انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا،انہیں یہ بھی بتایا کہ میں بالکل جنگ کے ارادے سے نہیں آیا میں تو تمہارے بلاوے پر آیا ہوں اور تم مجھے زبردستی جنگ کے لیے میدان میں کھینچ رہے ہو۔امام نے اور بھی بہت کچھ کہا مگر شقی القلب یزیدیوں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے یزید کی بیعت اور جنگ و حرب کے سوا کوئی اور پیش کش کی نہیں نہیں بالآخر تین دن کے بھوکے پیاسے حسین کو ان کے اعوان و انصار سمیت ان کے فرزندان واہل خانہ کے ساتھ شہید کردیا گیا لیکن آپ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیا حقیقت میں حسین قتل کردیا گیا ان کی ذات وصفات کو مٹادیا گیا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس قتل نے امام حسین کو زندہ وجاوید بنادیا۔

مولانا محمد علی جوہر نے بڑا ہی حقیقت افروز شعر کہا ہے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حسین تو ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ ہوگئے اور یزید پلید ہمیشہ کے لیے مرگیا۔اس لیے فتح ونصرت امام حسین کی مانی جائے گی اور قیامت تک سیدالشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاتحِ کربلا کی حیثیت سے جانا اور مانا جاتا رہے گا۔سانحہ کربلا کے پس منظر میں جھانکنے کے بعد ہمیں چند ایسے حقائق پوشیدہ نظر آتے ہیں جن کا تعلق دعوتی منہاج اور فروغِ اسلام کے عمدہ طریقہ کار سے ہے۔اس لے ذیل میں اجمالاً ہم انہیں واضح کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرمایا(ترجمہ)اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ وزیادتی میں باہم مدد نہ دو(مائدہ:۲)۔امام حسین نے اللہ عزوجل کے اسی حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور **تعاون علی الاثم والعدوان** کے گناہ سے خود کو بچالیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے(ترجمہ)بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جان و مال خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں۔(توبہ:۱۱۱)۔امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ارشادِ باری پر عمل کرتے ہوئے قیامت تک آنے والے تمام اہل ایمان کو درس دیا کہ جس جان و مال کو اللہ عزوجل نے ہم سے خرید کر جنت دینے کا وعدہ کیا ہے دین اسلام کے تحفظ وبقا اور اخلاقِ نبوی کی سلامتی کے لیے جانِ عزیز کی قربانی ناگزیر ہے۔اگر امام حسین یزید کی بیعت کرلیتے اور یزید کو اسلامی خلیفہ تسلیم کرلیتے تو خلافتِ اسلامیہ پر قابض ہوجانے کے بعد یزید جیسے شقی ،بدبخت ،فاسق وفاجر شخص سے یہ امید کی جاسکتی کہ وہ منکراتِ شرعیہ اور اعمالِ بد کی روک تھام کے لیے موثر اقدام کرتا اور اسلام کے احکام وپیغامات اور سنتِ رسول کی اشاعت وفروغ کے لیے قانون بناتا یا یہ کہ بعدِ بیعت امام حسین کو مشورہ کے لے طلب کرتا کہ دین وسنت کی تبلیغ وترویج کے لیے ہر ممکنہ پہلوؤں کو تلاش کیا جائے اور ان پر عمل درآمد ہو۔یزید کا کردار وعمل اور اس کے نظریات بتاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوتا اور یزید کے دربار کے حاضر باش اس سے قطعاً ایسا نہیں کرنے دیتے اس لیے امام حسین نے یزید کے ہاتھ بیعت لینے سے انکار اور یزیدیوں کے خلاف دفاعی معرکہ لڑکر دنیا کے تمام مسلمانوں کو نفسیاتی لحاظ سے سوچنے پر مجبور کردیا اور انہیں یہ ذہن دیا کہ اللہ کی راہ میں جان وخاندان کی قربانی تو پیش کرنا منظور ہے مگر گناہ پر تعاون کرنے والی بیعت کا گناہ کرنے کی جرأت روح اسلام کے منافی ہے۔

(......)

جن اعمال کا ثواب مسلسل ملتا رہتا ہے

از: مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے البتہ تین باتوں میں (جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پیدائش سے لے کر موت تک کا وقت دارالعمل ہے اور قبر سے نکل کر میدان محشر میں جانے اور اس کے بعد کو دارالجزاء کہا جاتا ہے درمیان میں عالم برزخ ہے جو درحقیقت انتظار کا عالم ہے۔

جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت خداوندی بتایا گیا اس لیے دنیوی زندگی یعنی دارالعمل میں انسان کو عبادات کا مکلّف بنایا گیا ہے اور اس کے لیے اسے وہ تمام قوت وطاقت عطا کی گئی جو عبادت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی طاقت، عقل ودانش کی دولت اور اختیار کی نعمت عطا کرنے کے بعد عبادات کا مکلّف بنایا لیکن جب انسانی جسم سے روح کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے تو عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے کیوں کہ اس وقت انسان دارالعمل سے عالم برزخ کی طرف کوچ کرجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس وقت بھی اسے محروم نہیں رکھتا اور اسے ثواب ملتا رہتا ہے اگر اس نے وہ کام کیے ہوں جن کا اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا یعنی وہ اعمال کا مکلّف نہ رہنے کے باوجود ثواب کی دولت سے بہرہ مند ہوتا رہتا ہے۔

ان تین اعمال میں سے پہلا عمل صدقہ جاریہ ہے۔ صدقہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک صدقہ وقتی ہوتا ہے مثلاً واجب صدقے کی صورت میں غربا ومساکین کو یا نفلی صدقے کی صورت میں عام مسلمانوں کو کھانا کھلایا تو اس کا ثواب اسے ضرور ملتا ہے بشرطیکہ شہرت اور ریاکاری کے بجائے رضائے الٰہی مقصود ہو لیکن یہ ثواب ایک مرتبہ مل جاتا ہے۔ ثواب ملنے کا سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔ دوسری قسم صدقہ جاریہ ہے اس کا ثواب جاری رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ اس صدقے کو کہتے ہیں جس سے مسلسل نفع اندوزی ہوتی رہے مثلاً مسجد بنائی، مسجد میں پنکھا لگایا، چٹائی بچھائی یا اس طرح کی دیگر اشیا جن سے نمازیوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دینی مدرسہ بنایا، کسی طالب علم کو یا کسی بھی مستحق صاحب ذوق کو دینی کتب خرید کر دیں، کنواں کھدوا کر وقف کردیا اور کسی گزرگاہ پر پانی کی سبیل بنادی تاکہ آنے جانے والے لوگ اس سے پانی پئیں غرضیکہ ہر وہ کام جس سے مخلوق خدا کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے اس شخص کے نامہ اعمال میں ثواب لکھا جاتا رہے گا اگرچہ وہ دنیا سے رخصت ہوگیا ہو۔ اس لیے ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اپنا روپیہ پیسہ ان کاموں پر خرچ کریں جن سے انسانیت بلکہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیر الناس من ینفع الناس ترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ بعض کام اگرچہ ذاتی طور پر بڑے اچھے کام ہوتے ہیں اور مسلمان ان کاموں پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ جاریہ میں نہیں آتے جب کہ ان کے مقابل بعض ایسے کام ہیں جہاں مال خرچ کرنے کی سخت ضرورت بھی ہوتی ہے اور صدقہ جاریہ کا ثواب بھی ملتا ہے لیکن عام طور پر ان سے روگردانی کی جاتی ہے اور ایسی جگہوں پر مال خرچ کرنے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔

اس میں کیا شک ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت تسکینِ جان کا سبب ہے، محبت رسول کریم صلی الہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہے، ان محافل کا انعقاد روحانی جلا کا باعث ہے اور اپنے آقا سے رشتہ محبت وعقیدت قائم کرنے کا اہم ذریعہ ہے لیکن ان پر لاکھوں روپے خرچ کردینا اور جہاں اسی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی

تعلیم کا اہتمام ہوان مدارس کو نظر انداز کردینا قطعاً دانش مندی نہیں۔ دینی اداروں کا قیام اور ان میں علم حاصل کرنے والے طلبہ کے قیام وطعام، کتب اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرنا صدقہ جاریہ بھی ہے اور دین اسلام کے فروغ کا باعث بھی لہٰذا اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو تنظیمیں اور جماعتیں فروغ دین اور اصلاح اُمت کے لیے کوشاں ہیں ان سے تعاون کرنا، اسلامی لٹریچر چھپوا کر تقسیم کرنا بھی ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

دوسرا عمل جس کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے وہ علم ہے جس سے اُمت مسلمہ کو نفع حاصل ہوتا رہے اگر چہ اس میں بنیادی طور پر وہ علوم شامل ہیں جن کا آخرت کے سنوارنے سے تعلق ہے لیکن ان فنون کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے جن کے ذریعے انسانی زندگی کی آسانی کا سامان پیدا ہوتا ہے ایسی مصنوعات تیار ہوتی ہیں جن سے انسانیت نفع اندوز ہوتی ہے کیوں کہ جہاں حقوق العباد کی ادائیگی اور ان سے آگاہی ضروری ہے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی اور ان حقوق سے متعلق علم حاصل کرنا اور اسے پھیلانا بھی لازمی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محض علم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ **ینتفع** کے الفاظ ارشاد فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچے کیوں کہ اس صورت میں یہ عمل جاری ہوگا اور اس کا ثواب بھی جاری ہوگا۔ اگر کوئی شخص علم حاصل کر کے اسے اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے خود اس پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن دوسروں کو اس کے علم سے فائدہ نہیں پہنچتا تو وہ اس بشارت میں شامل نہیں۔ افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ بعض اہل علم اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے اور جب کوئی حاجت مند اُن سے مسئلہ دریافت کرتا ہے تو وہ عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر جان چھڑا لیتے ہیں۔

علم کو نفع بخش بنانے کی صورت یہ ہے کہ درس وتدریس، تعلیم وتعلم، تبلیغ واصلاح اور تصنیف وتالیف کے ذریعے اس علم سے دوسروں کو نفع بھی پہنچایا جائے اور یوں اس علم کو باقی بھی رکھا جائے۔

صاحب علم دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے شاگردوں، اپنی تصانیف اور استفادہ کرنے والوں کی صورت میں زندہ رہتا ہے اور مسلسل ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص عالم نہیں ہے لیکن وہ علمی مرکز قائم کر کے کسی تعلیمی ادارے میں کتب فراہم کر کے فروغ علم میں شریک ہوتا ہے تو اسے بھی اس علم کا ثواب ملتا رہتا ہے جو اس نے اس ادارے یا کتب کی صورت میں چھوڑا ہے اور ایک عرصے تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

تیسرا عمل جس کا ثواب مسلمان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اس کی نیک اولاد ہے اگر چہ نیک اولاد بذات خود اپنے نیک کاموں کی وجہ سے باپ کے لیے ثواب کا باعث ہوتی ہے کیوں کہ باپ کی تربیت وہ عمل ہے جو اولاد صالح ہونے کا سبب ہے یعنی باپ کی تربیت نے اسے نیک بنایا اب چونکہ ان نیک اعمال کا سبب ماں باپ کی تربیت ہے لہٰذا اس بنیاد پر جب تک وہ نیک اعمال کرتا ہے ان کو ثواب ملتا رہے گا لیکن اس کے ساتھ ''یدعولہ'' کی قید لگا کر آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ نیک اولاد اپنے ماں باپ کے لیے دعا مانگتی ہے، ان کے لیے فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتی ہے اور اس طرح بھی اس کو ثواب ملتا رہتا ہے۔

یہاں اس بات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کا ثواب صرف ایمان واسلام کی صورت میں ملتا ہے لہٰذا یہاں اگر چہ لفظ انسان مطلق فرمایا جو کافر اور مسلمان سب کو شامل ہے لیکن **الانسان** میں الف لام سے خاص انسان کی طرف اشارہ کیا گیا یعنی انسان کامل اور وہ یقیناً مسلمان ہی ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں وہ لوگ جو علم حاصل کر کے لوگوں کو عقائد باطلہ کی ترغیب دیتے ہیں اور یوں ان کو گمراہی کے راستے پر ڈالتے ہیں وہ جس قدر تبلیغ واشاعت کا کام کریں اس بشارت میں شامل نہیں کیوں کہ ان کا علم نفع بخش ہونے کی بجائے ضرر رساں ہوتا ہے۔ نیز جو لوگ فوت شدہ مسلمانوں کے لیے دعا کا انکار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بے مقصد بات ہے اور میت کو خود اپنی زندگی میں عمل کرنا چاہیے تھا اور اس طرح کے حیلے بہانے تلاش کر کے ایصال ثواب سے روگردانی کرتے ہیں وہ قرآن وسنت سے بے خبر ہیں۔ قرآن وسنت کو اپنی خواہشات اور بدعات پر مبنی عقائد سے مقدم رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ جو عقیدہ قرآن وسنت سے متصادم ہو وہ بدعت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

﴿......﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سماجی خدمات

از: مولانا عبدالحکیم شرف قادری (علیہ الرحمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وانک لعلیٰ خلق عظیم** اور بے شک آپ خُلق عظیم پر ہیں۔ حضرت ملاجیون (استاذ سلطان عالمگیر) فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ خلق عظیم وہ طریقۂ زندگی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اور یہ بہت نادر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طریقۂ زندگی کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے اس کی بارگاہ میں دعاؤں اور التجاؤں کا سلسلہ جاری رکھتے اور رات اتنا طویل قیام کرتے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے کمبل اوڑھنے والے! رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا وقت (آرام بھی کیا کریں) (۷۳/۲-۱)

دوسری طرف کھانے پینے اور آرام کرنے کے مختصر وقت کے علاوہ مخلوق خدا کی رہنمائی میں صرف فرماتے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا، ان کے شکوک وشبہات دور کرنا، صحابہ کرام کو قرآن پاک کی تعلیم دینا، ان کی تربیت اور تزکیہ فرمانا، ان کے احوال کی نگرانی فرمانا، آنے والوں کا استقبال کرنا اور انہیں دعوت اسلام دینا، مدینہ منورہ میں مجاہدین کے دستے روانہ کرنا اور بعض اوقات بنفس نفیس غزوات میں شرکت فرمانا، صدقات اور چندے کا وصول کرنا اور مستحقین میں تقسیم فرمانا، نماز پنج گانہ، جمعہ اور عیدین میں امامت کرنا اور خطبات میں انہیں احکام اسلامیہ سے باخبر فرمانا، بیماروں کی عیادت کرنا، یتیموں، بیواؤں اور غلاموں کی خبر گیری فرمانا، حاجت مندوں کی حاجت روائی فرمانا، اہل خانہ کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی ضروریات کا پورا کرنا۔ مختصر یہ کہ خدمتِ خلق کے ہر شعبے میں ذمہ داریوں کو نبھانا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔

اس وقت موضوع سخن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سماجی خدمات ہیں۔ آپ نے اعلان نبوت سے پہلے حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔ ہوا یہ کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مال تجارت مکہ معظّمہ لایا جو عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا اور قیمت ادا نہ کی۔ زبیدی نے اپنے حلیفوں سے مدد کی اپیل کی مگر کسی نے بھی امداد نہ کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم، زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ، عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ اس اجتماع میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں فیصلہ کیا گیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی امداد کریں گے طاقت ور سے کمزور کا اور مقیم سے مسافر کا حق دلائیں گے۔ یہ بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا وہ چارٹر تھا جس کے تحت زبیدی کا مال اسے دلایا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلان نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا آل حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔

حلف الفضول کا معاہدہ اعلان نبوت سے بیس سال پہلے ماہ ذی قعدہ میں ہوا اور بہت سے مظلوم اس سے مستفیض ہوئے۔

یہ بھی اعلان نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش کے مختلف قبائل نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے لیے تیاری کی تو ہر قبیلے نے اپنے طور پر پتھر جمع کیے۔ جب تعمیر حجر اسود کے مقام تک پہنچی تو ہر قبیلے کا مطالبہ تھا کہ ہم اسے نصب کریں گے نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر معاہدہ کیا کہ ہم مر جائیں گے لیکن کسی دوسرے قبیلے کو حجر اسود نصب کرنے کا اعزاز حاصل کرنے نہیں دیں گے۔ چار پانچ دن جھگڑا چلتا رہا آخر ایک دن مسجد میں جمع ہو کر میٹنگ کی کہ اس اختلاف کا خاتمہ کیسے کیا جائے؟ قریش کے معمر ترین فرد ابو امیہ ابن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ اس دروازے سے سب سے پہلے آنے والے شخص کو اختیار دے دو کہ وہ فیصلہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دروازے سے داخل ہوئے۔ سب بہ یک زبان بول اٹھے'' ہم

اس امین پر راضی ہیں یہ محمد ہیں''۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے صورت حال بیان کی اور فیصلے کی فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا: ایک کپڑا لاؤ۔ کپڑا لایا گیا آپ نے حجرِ اسود اس پر رکھ دیا اور فرمایا: ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کنارا پکڑے اور سب مل کر کپڑے کو اٹھاؤ سب نے مل کر کپڑا اٹھایا اور حجر اسود کے مقام تک لے آئے تب آپ نے حجر اسود اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ اس طرح آپ کی حکمت عملی سے قریش کے قبائل خوں ریز حادثے سے بچ گئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو آپ اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیر کے لیے پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ اس طرح جب ہجرت کی بعد مسجد قبا تعمیر کی گئی تو آپ نے بنفس نفیس اس میں حصہ لیا۔ سب سے پہلا پتھر قبلہ کی طرف آپ نے رکھا۔ دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے رکھا۔ ان کے بعد صحابۂ کرام تعمیر میں مصروف ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے بھاری پتھر اٹھا کر لاتے کہ صحابہ کرام انہیں اٹھانے سے عاجز رہ جاتے اور جب مسجد نبوی شریف تعمیر کی گئی تو آپ نے اس میں بھی عملاً حصہ لیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (کوئی آواز سن کر) خوف زدہ ہوگئے۔ لوگ آواز کی طرف گئے تو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف سے تشریف لا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ خوف اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمہات المؤمنین کی ضروریات کا خاص خیال فرماتے تھے۔ عصر کے بعد ایک ایک اُم المؤمنین کے حجرے میں تشریف لے جاتے اور ان کی خیریت دریافت فرماتے۔ حضرت اسود نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: **کان یکون فی مھنة اھله تعنی خدمة اھله** آپ اپنے گھر والوں کے کام کاج اور خدمت میں مصروف رہتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اہل مدینہ کے خدام (برکت اور شفا حاصل کرنے کے لیے برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہو جاتے آپ ہر برتن میں دست اقدس ڈبو دیتے بعض اوقات سرد صبح ہوتی اس کے باوجود ان برتنوں میں دست مبارک ڈالتے (اور کسی کو فیض و برکت سے محروم نہ فرماتے)۔

آپ کے اخلاقِ عالیہ اور لطف وکرم کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی بچی آپ ہاتھ کا پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔ ان ہی سے روایت ہے کہ ایک خاتون کی عقل میں کچھ فتور تھا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! تم جس گلی میں چاہو ہم تمہارا کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ آپ کو ایک راستے پر لے گئی اور اس نے اپنی درخواست پیش کی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ بیمار کی عیادت کرتے، جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے اور مملوک کی دعوت قبول فرماتے۔ ایک یہودی بچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوگیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور اسے فرمایا: اسلام لے آ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی پاس ہی تھا باپ نے کہا ابوالقاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اطاعت کر وہ اسلام لے آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے نجات عطا فرمائی۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعوت اسلام کا مشن آپ کی نگاہ سے کسی وقت اوجھل نہیں ہوتا تھا۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو آپ ان کی قبر میں لیٹ گئے اور ان کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ فرما اپنے نبی کے طفیل اور مجھ سے پہلے انبیا کے طفیل بے شک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ کسی سائل کو انکار نہیں فرماتے تھے۔ ایک خاتون نے بارگاہ رسالت میں چادر لا کر پیش کی جس کے کنارے پر انہوں نے کڑھائی کی ہوئی تھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالی۔ جب باہر تشریف لائے تو وہ چادر زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ ایک صحابی نے عرض کیا یہ کتنی اچھی چادر ہے مجھے عطا فرمادیں۔ صحابہ کرام نے انہیں کہا آپ نے

اچھا نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت تھی اور آپ اسے استعمال میں بھی لے آئے تھے۔ آپ کو پتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کسی سائل کو) رد نہیں فرماتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی میں نے تو اس لیے مانگی ہے کہ میرا کفن بنے (آپ نے انہیں چادر عطا فرمادی) اور وہ ان کا کفن ہی بنا۔

اور اگر کوئی چیز حاضر نہ ہوتی تو قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرمادیتے۔ ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے، ہمارے نام پر ضرورت کی چیز خرید لو جب مال آئے گا تو ہم ادا کردیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی۔ یہ بات آپ کو پسند نہ آئی۔ ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ خرچ کریں اور اس بات کا خوف نہ کریں کہ رب عرش آپ کو کمی آنے دے گا۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور چہرہ انور پر بشاشت کے آثار دکھائی دینے لگے۔

ایک سفر میں آپ نے صحابہ کرام کو بکری کا گوشت پکانے کا حکم دیا ایک صحابی نے کہا میں اسے ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں اس کی کھال اتاردوں گا۔ تیسرے نے کہا میں اس کا گوشت پکاؤں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ایندھن اکٹھا کرکے لائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ کام کرنے کے لیے ہم جو حاضر ہیں۔ فرمایا: ہمیں علم ہے لیکن ہمیں تمہارے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھنا پسند نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے دوستوں میں ممتاز ہو کر بیٹھے۔

آپ کی نوازشات سے ہر محتاج امداد فیضیاب ہوتا تھا۔ آپ نے ایک کنیز دیکھی جو راستے میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی آپ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے بتایا کہ میرے آقا نے آٹا خریدنے کے لیے دو درہم دیے تھے وہ مجھ سے گم ہوگئے ہیں۔ آپ نے اسے دو درہم عطا فرمادیے۔ کچھ دیر بعد اس طرف سے گزر ہوا تو وہ بدستور بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: اب کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا ڈرتی ہوں کہ دیر سے واپس گھر جانے پر مار پڑے گی۔ آپ اس کے ساتھ اس کے مالک کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر پہنچ کر سلام کہا۔ صاحب خانہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیسے تشریف لائے؟ آپ نے صورت حال بیان کی تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے آپ کی رحمت اور احسان سے صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی مستفیض ہوئے۔ آپ کی امانت اور دیانت کے نہ صرف غیر مسلم معترف تھے بلکہ فائدہ بھی اٹھاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی امانتیں مشرکین مکہ کے پاس رکھنے کی بجائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت بھی مشرکین کی امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ایک ایک امانت اس کے مالک کو سپرد کرنے کے بعد مدینہ طیبہ چلے آنا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین دن اور تین راتیں مکہ معظّمہ میں رہے اور امانتیں ادا کرکے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

حضرت ثمامہ ابن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف با اسلام ہونے کے بعد عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو مشرکین نے انہیں گرفتار کرلیا اور کہنے لگے ثمامہ! تم صابی ہوگئے؟ یعنی اپنے آباواجداد کا دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہوگئے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں نے بہترین دین، دین محمد کی پیروی کی ہے۔ حضرت ثمامہ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا۔ یمامہ پہنچ کر پابندی لگادی کہ یمامہ سے غلہ مکہ مکرمہ نہ جانے پائے۔ مکہ معظّمہ میں قحط پیدا ہوگیا مجبور ہو کر مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لکھا کہ آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، آپ نے ہم سے قطعی رحمی کی ہے، آبا کو تلوار سے قتل کیا ہے اور بیٹوں کو بھوک سے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثمامہ کو حکم دیا تو انہوں نے غلے سے پابندی اٹھالی۔

مختصر یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شان رحمۃ للعالمینی سے اپنوں اور بیگانوں سب کو فیض یاب فرمایا۔ خوش قسمت حضرات نے آپ کی دعوت اسلام کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بنے اور خلق خدا کی خدمت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ﴿......﴾

شرعی احکام ومسائل

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

نبی پاک کو ''امی'' یا ''امی لقب'' کھنا کیسا ھے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کوئی شاعر اگر اپنے نعتیہ اشعار میں یہ کہے کہ:

انہیں اُمی نہیں اُمی لقب کہیے تو بہتر ہے
حضور آئے پڑھے لکھے ہوئے اللہ کے گھر سے

قرآن واحادیث کی روشنی میں اس شعر کے متعلق تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

سائل: ضیاء القمر فوقی اعظمی، ابراہیم پور دیوکلی تارن ضلع اعظم گڑھ

الجواب: یہ شعر صحیح ودرست ہے البتہ ''اُمی'' اور ''اُمی لقب'' دونوں کوئی ایک دوسرے سے افضل وبہتر نہیں۔ ذات اقدس پر دونوں کا اطلاق یکساں طور پر بجا ودرست ہے۔ اُمی کا لفظ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب ہے جس سے مقصود آپ کی مدح ہے۔ خزائن العرفان میں تفسیر خازن کے حوالے سے ہے ''امی'' کا ترجمہ ''بے پڑھے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد کے مطابق ہے اور یقیناً اُمی ہونا آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی سے پڑھے نہیں اور کتاب وہ لائے جس میں اولین وآخرین اور غیبوں کے علوم ہیں۔ (خازن)

خاکی وبراوج عرش منزل
امی وکتاب خانہ دردل
امی ودقیقہ دان عالم
بے سایہ وسائبان علم

(خزائن العرفان ص۲۰۲)

جب یہ لفظ خود آپ کا لقب ہے تو ''امی'' کہا جائے یا ''امی لقب'' سب برابر ہے۔ قرآن حکیم میں دو جگہ آپ کا ایک وصف امی شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: **الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی الخ**. نیز ارشاد ہے. **فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی الخ** (اعراف، ۷ آیۃ: ۱۵۷، ۱۵۸)

اُمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا جیسا کہ تفسیر خازن کی درج بالا عبارت سے بخوبی واضح ہے نیز اس امر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ، لفظ اُم کا اسم منسوب ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ سرکار حالِ ولادت پر باقی رہے یعنی نہ پہلے قبل ولادت دنیا میں کسی سے پڑھا، نہ بعد میں۔ حاشیہ تفسیر جلالین میں ہے: **الأمی نسبة الی الام کانه باق علی حالته التی ولد علیها والمراد به الذی لایقرأ الخط ولایکتب وهذا الوصف من خصوصیاته صلی الله علیه وسلم اذ کثیر من الأنبیاء کان یکتب و یقرأ. ۱۲ کرخی.** (ص۱۴۲)

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہوگیا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا امی ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ ع ''حضور آئے پڑھے لکھے ہوئے اللہ کے گھر سے'' کہ امی ہونا یا ''بے پڑھا لکھا'' ہونا دنیا کے لحاظ سے ہے اور انسانوں کی طرف نسبت کر کے ہے اور پڑھا لکھا ہونا خدائے پاک کی طرف نسبت کر کے ہے تو دونوں باتیں بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

کیاحضور پاکحضرت حسین کی رال چوستے تھے؟

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس بارے میں کہ زید ایک عالم ہے، دوران تقریر یہ فرمانے لگے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رال چوستے تھے اور یہ بات انہوں نے زیادہ محبت ثابت کرنے کے لیے فرمائی گستاخی کی نیت نہ تھی۔ نیز یہ کہا کہ یہاں تو بچوں کے منہ سے رال گرتی ہے تو اس کو Tissue Paper میں لے لیتے ہیں مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رال چوستے تھے اور پھر یہ روایت پڑھی **یَمْتَصُّ لُعَابَ الْحَسَیْنِ کَمَا یَمْتَصُّ الرَّجُلُ التَّمْرَةَ** (نور الابصار ۱۱۴) اس جملے پر عمرو نے دوران بیان کہا کہ یہاں لعاب کا لفظ ہے اور لعاب اس کو کہتے ہیں جو منہ میں ہو نہ کہ رال جو ٹپکے۔

آپ ارشاد فرمائیں کیا صحیح ہے؟ جب کہ مصباح اللغات میں

لعاب کامعنی ''منہ کی رال'' ہے۔

مستفتی: محمد نظام الدین المصباحی، یو کے۔

الجواب: زید نے حدیث پاک کی بہت غیر مناسب تشریح کی کہ یہ تشریح نظافتِ نبوی کے شایانِ شان نہیں۔ لعاب کا معنی رال بھی ہے اور تھوک بھی اور الفاظ حدیث نیز شان نبوت کے لائق دوسرا والا معنی ہے تو یہی مراد لینا چاہیے نہ کہ وہ معنی جو دونوں سے بعید ہو۔

مختصراً اس کی تفصیل یہ ہے کہ عربی زبان میں ''تھوک'' کے لیے'' رِیْقٌ'' کا لفظ آتا ہے اور ''رال'' کے لیے'' رال وریال'' کا اور لعاب کا لفظ دونوں میں مشترک ہے جیسا کہ درج ذیل لغوی عبارات سے عیاں ہے۔

المعجم الوسیط میں ہے: الرِّيق: اللُّعاب. ج اَرْيَاق.

رالَ الصبيُّ ريلا: سَالَ لُعَابُه (ص۳۸۶)

المنجد میں ہے: الريق ج ارياق ورياق: لعاب الفم۔(ص۲۹۰)

جمهرة اللغة میں ہے:

واللعاب مايسيل من فم الصبي من ريقه. يقال: لعب الصبي ولعب: اذا سال لعابه. وقالوا: لعبت: سال لعابي عليهم. (ص ۳۱۶، ج ۱. دار صادر)

لعاب کے یہی معانی لسان العرب (ص۱۴۱۷ ج۱) القاموس المحیط (ص۱۷۲) المعجم الوسیط (ص۸۲۷) المنجد (ص۷۲۳) وغیرہ میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔

سال لعابه کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لعاب الگ چیز ہے اور سیلابِ لعاب الگ۔ ریق کا معنی لعاب ہے اور رال کا معنی سیلاب لعاب۔ یہ مفہوم درج بالا عبارات سے واضح ہے۔ فارسی اور اردو زبان کی کتبِ لغات میں بھی لعاب کے یہ دونوں معانی لکھے ہیں مثلاً غیاث اللغات میں ہے: لعاب بضم اول آبِ دہن وآب ہر چیزے کہ غلظت وچسپید گی دارد'' (غیاث ص۳۸۶)

آبِ دہن کا اطلاق تھوک پر بھی ہو سکتا ہے اور رال پر بھی۔

نور اللغات میں ہے:

لعاب (عربی) تھوک، آبِ دہن (ص۳۹۹)

فرہنگ آصفیہ میں اس کا معنی تھوک، آبِ دہن، رال لکھا ہے اور لغات کشوری ص۴۱۴ میں صرف آب دہن و تھوک لکھا ہے۔

غرض یہ کہ لفظ لعاب تھوک اور رال دونوں معنوں پر مشترک ہے اور مشترک کا کوئی بھی ایک معنی مراد لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے جب کہ یہاں لعاب بمعنی رال مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں قرینۂ محبت وشفقت تو موجود ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ محبت میں کوئی اپنے عزیز بیٹے کو بوسہ دیتا ہے، ہونٹ چوستا ہے، بہت محبت ہوئی تو زبان چوس سکتا ہے۔ ٹپکی ہوئی رال کو چاٹنا ہرگز محبت وشفقت کی دلیل نہیں۔

اور لعاب بمعنی تھوک مراد لینے پر یہاں کئی قرائن ہیں۔ ایک قرینہ لفظ ''امتصاص'' ہے **يمتص لعاب الحسين** ''چوسنا'' ان قرائن سے ظاہر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غایتِ شفقت ومحبت میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک اپنے دہن اقدس میں لے کر چوستے جیسے کھجور منہ میں رکھ کر چوسی جاتی ہے کھجور چوسنے سے تشبیہ اسی مفہوم پر دال ہے۔ ٹپکی ہوئی رال چاٹی جا سکتی ہے جس کے لیے عربی میں'' **لعوق** '' کا لفظ آتا ہے نہ کہ **مص وامتصاص** کا اور یہی مفہوم محبتِ شفقت پر دلالت بھی کرتا ہے۔ اس لیے یہاں لعاب سے مراد ہرگز ہرگز رال نہیں ہے نہ یہ نظافتِ شایانِ نبوی کے مناسب۔ لہٰذا زید اپنے قول سے رجوع کرے اور آئندہ بلا تحقیق اس طرح کی باتیں عوام کے سامنے نہ بیان کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

خطبہ جمعہ میں عصا لینے اور نہ لینے کا حکم

زید کہتا ہے کہ خطبۂ جمعہ بغیر عصا کے پڑھنا صحیح نہیں۔ (۱) کیا زید کا قول درست ہے؟ (۲) کیا بغیر عصا کے جمعہ کا خطبہ پڑھنا صحیح نہیں ہے؟ (۳) کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر عصا کے جمعہ کا خطبہ نہیں پڑھا؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: عابد حسین، چھونٹیا، دیوگھر، جھارکھنڈ۔

الجواب (۱،۲) زید کا یہ قول غلط ہے۔ بغیر عصا کے خطبۂ جمعہ پڑھنا جائز اور خطبہ صحیح ودرست ہے۔ خطبہ نام ہے ''ذکر الٰہی'' کا جس میں ذکر رسول بھی شامل ہے اور ذکر زبان سے ہوتا ہے نہ کہ عصا سے۔ عصا سے مقصود ہوتا ہے ٹیک لگانا، سہارا لینا جو خطیب کی راحت وآرام کا ذریعہ ہے اور ذکر وعبادت کے وقت اپنی راحت وآرام کا لحاظ مناسب نہیں۔ پھر عصا ہاتھ میں لینا اور اس پر ٹیک لگانا ذکر وعبادت کے سوا ایک دوسرے کام میں شغل بھی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہائے حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عصا لے کر خطبہ دینے کو مکروہ لکھا ہے جیسا کہ درمختار، ہندیہ، خلاصہ، محیط اور بحر

وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔بعض عبارات یہ ہیں۔

☆وفی الخلاصة: ویکره ان یتکی علی قوسٍ أو عصا اھ (باب الجمعۃ)

☆واذا اخطب متکئاً علی القوس أو علی العصا جاز الا أنه یکره لانه خلاف السنة اھ (الفتاویٰ،التاتارخانیۃ ص ۶۱،ج ۲)

☆ویکره أن یخطب متکئاً علیٰ قوسٍ أو عصا کذا فی الخلاصة وھکذا فی المحیط اھ (ص ۱۴۸،ج ۱)

ان عبارات میں واضح طور پر خطبے میں عصا پر ٹیک لگانے کو مکروہ لکھا ہے جس کی وجہ سے فتاویٰ تتارخانیہ میں یہ بتایا کہ یہ خلافِ سنت ہے اور عقلاً اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ذکر وعبادت کی حالت میں غیر ذکر وغیر عبادت میں ایک طرح کا اشتغال ہے۔ہاں یہ کراہت تحریمی نہیں جس کا مفاد عدمِ جواز وگناہ ہوتا ہے بلکہ کراہتِ تنزیہی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں اس سے بچنا چاہیے۔

مگر اس کے برخلاف یہ کہنا کہ ''بغیر عصا کے خطبہ صحیح نہیں'' شریعت طاہرہ پر سخت جرأت اور اپنی طرف سے بے جا فتویٰ جاری کرنا ہے جو گناہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۳)حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیادہ تر بغیر عصا کے ہی خطبہ پڑھا ہے۔ایک حدیث حضرت حکم بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں عصا یا قوس پر ٹیک لگا کر خطبہ دینے کا ذکر ہے مگر یہ ایک بار کا واقعہ ہے جو مفید عموم نہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے ہو یا بیانِ جواز کے لیے آپ نے ایسا کیا ہو۔محیط میں ایک مقام پر عصا لینے کو سنت اور دوسرے مقام پر مکروہ لکھا ہے اور اس میں اس بے مایہ راقم الحروف کے نزدیک توفیق یوں ممکن ہے کہ عذر ہو تو جائز جس کا ثبوت سنتِ مذکورہ سے ہے اور عذر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی،غیر مناسب۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: خطبے میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علما نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ۔اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں تو بنظر اختلاف اس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو۔ وذلک لان الفعل اذا تردد بین السنة والکراھة کان ترکه اولیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم ۔وہ اس لیے کہ سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (ت)(فتاویٰ رضویہ ج ۸، کتاب الصلوٰۃ مترجم)

درمختار میں ہے: وفی الحاوی القدسی:اذا فرغ المؤذن قام الامام والسیف فی یساره وھو متکی علیه وفی الخلاصة: ویکره أن یتکی علی قوس او عصا اھ (ص ۴۱، ج ۳،باب الجمعۃ)

ردالمحتار میں ہے: قوله: (وفی الخلاصة الخ) استشکله فی الحلیة بأنه فی روایة ابی داؤد ''انه صلی اللہ علیه وسلم قام: أی فی الخطبة متوکئا علی عصا أو قوس '' ا ھ. ونقل القھستانی عن عید المحیط أن اخذ العصا سنة کالقیام ا ھ (ص ۴۱،ج ۳،باب الجمعۃ)

ان عبارات پر فقیہ عبقری اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو تحقیقی نوٹ لگایا ہے اس سے اس مسئلے کی حقیقت واشگاف ہوکر سامنے آجاتی ہے۔آپ تعلیقات ردالمحتار میں رقم طراز ہیں:(قوله) استشکله فی الحلیة الخ . ذکر کلام الخلاصة ثم قال قلت وھو مشکل بما اخرج ابوداؤد عن الحکم بن حزن الکلفی فذکر الحدیث ثم قال وعن البراء بن عدان أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم تناول قوسا فخطب علیه وصححه ابن السکن، ۱۲

(قوله) أنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قام الخ (اقول) لفظ الحدیث عن الحکم بن حزن الکلفی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال أقتنابها (ای بالمدینة الطیبة) أیاما شھدنا فیھا الجمعة مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقام متوکئا علی عصا أوقوس اھ.

فلا دلالة فیه الاعلی وقوعه مرة وواقعة عین لاتعم. فکربما تکون لعذر أو لبیان الجواز. واللہ تعالیٰ اعلم. ۱۲

(قوله) ونقل القھستانی بعد أن نقل عن جمعته کراھة فقد اضطرب کلام المحیط ۱۲، (جد الممتار ص ۳۷۸، ج ۱، کتاب الصلوٰۃ)

ان عبارات سے یہ امر عیاں ہوگیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام حالات میں برابر بغیر عصا کے خطبہ دیا ہے لہٰذا یہی مسنون ہے اور اسی پر عمل وفتویٰ۔زید اپنے قول سے رجوع وتوبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿......﴾

دنیا سے عبرت حاصل کرو

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر آفریں خطبہ

پیش کش: حسن رضا

میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں اس لیے کہ یہ بظاہر شیریں وخوش گوار، تروتازہ وشاداب ہے۔ نفسانی خواہشات اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی جگہ میسر آجانے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اور اپنی تھوڑی سی (آرائشوں) سے مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ (جھوٹی) امیدوں سے سجی ہوئی اور دھوکے اور فریب سے بنی سنوری ہوئی ہے نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے بے فکر رہا جاسکتا ہے۔ وہ دھوکے باز، ضرر رساں، ادلنے بدلنے والی اور فنا ہونے والی ہے۔ ختم ہونے والی اور مٹ جانے والی ہے۔ کھا جانے اور ہلاک کردینے والی ہے۔ جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں اور خوش ہونے والوں کی انتہائی آرزوؤں تک پہنچ جاتی ہے تو بس وہی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے: (اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسے ہے) ''جیسے وہ پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو زمین کا سبزہ اس سے گھل مل گیا اور (اچھی طرح پھلا پھولا) پھر سوکھ کر تنکا تنکا ہوگیا جسے ہوائیں (اِدھر سے اُدھر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (الکہف ۱۸:۴۵)

جو شخص اس دنیا کا آرام پاتا ہے تو اس کے بعد اس کے آنسو بھی بہتے ہیں اور جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے وہ مصیبتوں میں ڈھکیل کر اس کو اپنی بے رخی بھی دکھاتی ہے اور جس شخص پر راحت وآرام کے ہلکے ہلکے چھینٹے پڑتے ہیں اس پر مصیبت وبلا کے طوفان بھی آتے ہیں۔ یہ دنیا ہی کے مناسب حال ہے کہ صبح کو کسی کی دوست بن کر اس کا (دشمن سے) بدلہ چکائے اور شام کو یوں ہوجائے کہ گویا کوئی جان پہچان ہی نہ تھی۔ اگر اس کا ایک گھونٹ شیریں وخوش گوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلا انگیز ہے۔ جو شخص بھی دنیا کی تروتازگی سے اپنی کوئی تمنا پوری کرتا ہے تو وہ اس پر مصیبتوں کی مشقتیں بھی لاد دیتی ہے۔ جس کی شام امن وسلامتی کے بال وپر کی حامل ہوتی ہے اس کی صبح خوف کے پروں پر ہوتی ہے۔ وہ دھوکے باز ہے اور اس کی ہر چیز دھوکا۔ وہ خود بھی فنا ہوجانے والی ہے اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی سامان میں سوائے زادِ تقویٰ کے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اس سے جو شخص کم حصہ لیتا ہے وہ اپنے لیے راحت کے سامان بڑھا لیتا ہے اور جو کوئی دنیا کو زیادہ سمیٹتا ہے وہ اپنے لیے تباہ کن چیزوں کا اضافہ کرلیتا ہے (حالانکہ) اسے اپنے مال ومتاع سے بھی جلد ہی الگ ہونا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا پر بھروسہ کیا اور اس نے انہیں مصیبتوں میں ڈال دیا۔ کتنے ہی اس پر بھروسا کیے بیٹھے تھے جنہیں اس نے پچھاڑ دیا۔ کتنے ہی رعب وطنطنے والے تھے جنہیں حقیر وپست بنادیا اور کتنے ہی نخوت وغرور والے تھے جنہیں ذلیل کرکے چھوڑا۔ اس کی بادشاہ دست بدست منتقل ہونے والی چیز، اس کا سرچشمہ گدلا، اس کا خوش گوار پانی کھاری، اس کی حلاوتیں ایلوا کی مانند تلخ ہیں۔ اس کے کھانے زہر ہلاہل اور اس کے اسباب وذرائع کے سلسلے بودے ہیں۔ زندہ رہنے والا معرضِ ہلاکت میں ہے اور تندرست کو بیماریوں کا سامنا ہے۔ اس کی سلطنت چھن جانے والی، اس کا زبردست زیردست بننے والا، مال دار بدبختیوں کا ستایا ہوا اور ہمسایہ لٹا لٹایا ہوا ہے پھر اس کے بعد سکرات اور یوم جزا میں پیش ہونے کے مشکل مراحل درپیش ہوں گے: ''تا کہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور ان لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویہ اختیار کیا ہے'' (النجم ۵۳:۳۱)

کیا تم انہی سابقہ لوگوں کے گھروں میں نہیں بستے جو لمبی عمروں والے، پائیدار نشانیوں والے، بڑی بڑی امیدیں باندھنے والے، زیادہ گنتی وشمار والے اور بڑے لاؤلشکر والے تھے؟ وہ دنیا کی کس طرح پرستش کرتے رہے اور اسے آخرت پر کیسی کیسی ترجیح دیتے رہے۔ پھر بغیر کسی ایسے زاد وراحلہ کے جو انہیں راستہ طے کرکے منزل تک پہنچاتا،

چل دیے۔کیا تمہیں کبھی یہ خبر پہنچی ہے کہ دنیا نے ان کے بدلے میں کسی فدیے کی پیش کش کی ہو یا انہیں کوئی مدد بہم پہنچائی ہو یا اچھی طرح ان کے ساتھ رہی ہو؟ بلکہ اس نے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے، آفتوں سے انہیں عاجز و درماندہ کر دیا، لوٹ لوٹ کر آنے والی زحمتوں سے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ناک کے بل انہیں خاک پر پچھاڑ دیا، اپنے کھروں سے کچل ڈالا اور ان کے خلاف حوادثِ زمانہ کا ہاتھ بٹایا۔

تم نے تو دیکھا ہے کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے (اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی) اجنبیت اختیار کر لی یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو کر چل دیے۔اس نے انہیں بھوک کے سوا کچھ زادِ راہ نہ دیا اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی ٹھہرنے کا سامان نہ کیا اور سوائے گھپ اندھیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دیا تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو یا اسی پر مرے جا رہے ہو؟ ارشاد خداوندی ہے:''جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوش نمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔(وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے'' (ہود۱۱:۱۵۔۱۶) جو دنیا پر اعتماد کرے اور اس میں بے خوف و خطر ہو کر رہے اس کے لیے یہ بہت برا گھر ہے۔

جان لو اور حقیقت میں تم جانتے ہی ہو کہ (ایک نہ ایک دن) تمہیں دنیا کو چھوڑنا اور یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ ہم سے قوت و طاقت میں کون زیادہ ہے۔انہیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا انہیں قبروں میں اتار دیا گیا مگر وہ مہمان نہیں کہلاتے۔پتھروں سے ان کی قبریں چُن دی گئیں اور خاک کے کفن ان پر ڈال دیئے گئے اور گلی سڑی ہڈیوں کو ان کا ہمسایہ بنا دیا گیا۔

وہ ایسے ہمسایے ہیں کہ جو پکارنے والے کو جواب نہیں دیتے اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں اور نہ رونے دھونے والوں کی پروا کرتے ہیں۔اگر بادل (جھوم کر) ان پر برسیں تو خوش نہیں ہوتے اور قحط آئے تو ان پر مایوسی نہیں چھا جاتی۔وہ ایک جگہ ہیں مگر الگ الگ۔وہ آپس میں ہمسایئے ہیں مگر دور دور۔پاس پاس ہیں مگر میل ملاقات نہیں۔قریب قریب ہیں مگر ایک دسرے کے پاس نہیں پھٹکتے۔وہ بُردبار بنے ہوئے بے خبر پڑے ہیں۔ان کے بغض و عناد ختم ہو گئے اور کینے مٹ گئے۔نہ ان سے کسی ضرر کا اندیشہ ہے کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:''سو دیکھ لو ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے'' (القصص۲۸:۵۸)

انہوں نے زمین کے اوپر کے حصے سے اور کشادگی اور وسعت تنگی سے اور گھر بار پردیس سے اور روشنی اندھیرے سے بدل لی ہے اور جس طرح ننگے پیر اور ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ویسے ہی زمین میں (پیوند خاک) ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے۔جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:

کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فعلین۔ (الانبیا۲۱:۱۰۴) جس طرح ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے اس وعدے کو پورا کرنا ہمارے ذمے ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے۔

(......)

اسلوبِ دعوت اور داعی کا نصاب

از: طاہر حمید

کسی بھی چیز کی موثریت میں لوگوں کے سامنے اس کی پیشگی کا اسلوب بڑا فعال کردار ادا کرتا ہے۔ دعوت ایک نظام ہے اور خیر وشر کی ساری عمارتیں اس کے سہارے کھڑی ہیں۔ خیر کی دعوت کا اسلوب موثر اور کارگر ہو جائے تو تمدن کی اقدار پر صالحیت غالب آجاتی ہے اور اگر شر اپنے اسلوب کو مزین کر کے پیش کر دے اور تاریکی کے پردوں میں مصنوعی، فانی اور باطل روشنیوں کا شہر آباد کر لے تو کلچر پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ سورہ احزاب کی آیہ کریمہ میں قرآن مجید نے اسلوب دعوت کے تین ضروری عناصر کا ذکر کیا ہے اور آیت کے اختتام پر **سراجاً منیرا** کے الفاظ لائے گئے ہیں جن کا ایک مفہوم یہ بھی بنتا ہے کہ تقاضہائے دعوت کو پورا کرنے اور اسلوب دعوت کے تشکیلی عناصر پر ہمہ پہلو عمل معاشرے کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی ثقافتی اقدارِ حیات پر وہ اثرات مرتب کرے گا جن سے کفر، شیطنت، طاغوتیت اور باطل کی تاریکیوں کے سب پردے چاک ہو جائیں گے، ہر طرف حق کی برکھا نور بن کر برسے گی اور پورا عالم بقعہ نور بن جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشراً و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا۔** (الاحزاب، ۴۴، ۴۵، ۴۶)

ترجمہ: اے (محبوب) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والا اور چمکنے والا سورج بنا کر بھیجا ہے۔"

لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں عظیم داعی کے دعوتی منہاج کے تشکیلی عناصر تین ہیں۔

۱۔شاہدیت ۲۔مبشریت ۳۔نذیریت

شاہدیت کا تقاضا ہے کہ داعی اپنی دعوت پر گواہ ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے سراپا کے ظاہر و باطن سے اس کی دعوت جھلکے۔ وہ اپنی دعوت کو محض زبان سے اس طرح پیش نہ کرے کہ اس کا عمل خود اس قول کا رفیق نہ ہو پائے۔ یہ موثر دعوت کے اسلوب تقدیم کے سراسر خلاف ہے۔ موثر نظام دعوت کا اسلوب پیشگی اس بات کا بڑی شدت سے متقاضی ہے کہ داعی اپنی دعوت پر گواہ ہو۔ اس کے قول و عمل، احوال واطوار، قیام وجلوس اور خورد ونوش کے اعمال سے لے کر اس کی ہر حرکت جب تک اس کی دعوت کا مظہر نہیں بنتی وہ اپنی دعوت پر گواہ نہیں ہو سکتا اور دعوت اس وقت تک دعوت نہیں بنتی، جب تک اس پر شہادت نہ ہو۔

اسلوب دعوت میں مبشریت کے عنصر کا تقاضا ہے کہ داعی دعوت کو پیش کرتے وقت رحمت کے پہلو غالب رکھے۔ یاس وقنوطیت میں دبے لوگوں کو امید وآس کی حقیقتوں سے آشنا کر دے۔ اپنے رب کی رحمتوں کا تذکرہ یوں کرے کہ گھپ اندھیروں میں کھڑی انسانیت وہیں کھڑے کھڑے فضل الٰہی کی روشنیوں کے میناروں کا مشاہدہ کر لے۔

اسلوب دعوت میں شان نذیریت یہ چاہتی ہے کہ باطل حق کی گرج سے لرزہ براندام ہو جائے اکھڑ، اجڈ اور گنوار جہالت کی کیسی ہی دبیز تہوں میں دبے ہوئے کیوں نہ ہوں اسلوب دعوت کا تقاضائے نذیریت ان کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ اس کی موثریت پر زد نہ پڑنے دی جائے یعنی اس کو مناسب حال ومقام کے ساتھ ساتھ مناسب وقت پر استعمال کیا جائے۔ یہی عنصر داعی سے تقاضا کرتا ہے کہ ظالم جابر حکمران کے سامنے وہ بلا جھجک کلمہ حق کہہ کر عظیم جہاد کرے اس طرح کہ فرعونی محلات میں بھی اللہ کے ڈر کی صدا لگانے سے اسے کوئی باز نہ رکھ سکے۔

اسلوب دعوت کے یہ عناصر بروئے کار لا کر ہی نبوی ومصطفوی دعوت کے نظام کو معاشرے میں جاری وساری کیا جا سکتا ہے اور اس کی اثر اندازی کی پیائش اس روشنی سے کی جائے گی جو اس نظام کے داعیوں کے قول وعمل اور فکر ونظر سے شعاعوں کی صورت میں نکل کر معاشرے میں پھیل رہی ہو گی جس کا نظام دعوت اور اس کی حکمت **سراجاً منیرا** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنی زیادہ قریب ہو گی وہ معاشرے میں تبدیلی کے لیے اتنا موثر ہو گا۔

موثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں اور داعی بھی کردار کے ان تقاضوں سے بہرہ ور ہو جو اس کی

دعوت کو موثر بناتے ہیں۔ داعی کے کردار کے حوالے سے مکی دور کی ابتدائی سورتیں، سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر اپنے اندر ایک پورا نصاب رکھتی ہیں کہ داعی کے اوصاف کیا ہونے چاہیے ان کی ذات و کردار میں کیا محاسن ہونے چاہیے۔

یہاں سورۂ مزمل کی چند آیات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

ان لک فی النھار سبحاً طویلاً

ترجمہ: بے شک دن میں تو تم کو بہت سے کام ہیں

یہاں امور دنیا کے انتظام وانصرام کا تذکرہ فرمایا کہ داعی کی زندگی معمولات زندگی سے خالی یا ترک پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی تمام تر ذمے داریوں اور حقوق العباد کی ادائیگی سے بھی غافل نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی ذمے داریوں کی ادائیگی کا مناسب واحسن انتظام وانصرام بھی داعی کے کردار کا ایک اہم جزو ہے۔

و اذکر اسم ربک ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرو

ذکر کثیر داعی کے لیے ایک اسلحے اور ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ جہاں ایک طرف داعی کے اندر اس کی دعوت کا رنگ پیدا کرتا ہے وہاں دوسری طرف رب ذوالجلال کے ساتھ اسے متعلق رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس دعوت حق دے کر بھیجا گیا تو ارشاد فرمایا **و لاتنیا فی ذکری** یعنی اے موسیٰ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا کیونکہ ذکر کثیر دراصل مذکور سے وابستہ ہونے اور داعی کے تعلق کو زندہ و تازہ رکھنے کا ذریعہ ہے جو ذکر ربانی کرتے کرتے ذکر حال تک پہنچ جاتا ہے۔

رب المشرق و المغرب لااله الاهو فاتخذه و کیلا

ترجمہ: وہ مشرق ومغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔

دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے توکل اور تفویض بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر داعی میں توکل ہوگا تو وہ کبھی بھی نفسیاتی امراض کا شکار نہ ہوگا اور اس کا حال یہ ہوگا کہ **یاایھاالنفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة** یعنی اے اطمینان کرنے والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

یہ اطمینان اور رضائے الٰہی کی کیفیتِ توکل، داعی کو حاصل ہوگی۔

و اصبر علیٰ مایقولون ترجمہ: اور (کافروں کی) باتوں پر صبر کرو

راہِ حق کی مشکلات پر صبر کرنا داعی کا شیوہ ہے کہ داعیِ حق کی راہ میں لوگ رکاوٹیں کھڑی کریں گے، طعنے گالیاں اور زیادتیاں اس کے راستے میں آئیں گی۔ انبیا کے ساتھ بھی یہی ہوا مگر اس سب کے باوجود داعی کو چاہیے کہ وہ اپنا کام ترک نہ کرے اور نہ ہی صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑے۔ اقامت دین کا کام کرنے والے گالی اور غصے کا جواب گالی اور طعنے سے نہ دیں۔ مخالفین کا کام گالیاں دینا اور طعنے واذیتیں دینا ہے مگر داعی کا کام خوش خلقی اور خیر خواہی ہے کہ وہ مشکلات کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں مگر انہیں وہ خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور صبر واستقامت کے ساتھ دعوت کا کام آگے بڑھائے جائے۔

اسی طرح سورۂ مزمل کی ایک اور آیت کریمہ **واھجرھم ھجراً جمیلاً** (۷۳:۱۰)

جہاں مخالفین رکاوٹ بنیں تو داعی کو ہجر جمیل کا راستہ اپنانا ہوگا کہ شرافت اور وضع داری سے ان سے علیحدگی اختیار کرلے۔ الجھنے سے توانائیاں اور صلاحیتیں برباد ہوں گی۔ یہی تعلیم ہمیں سیرتِ نبوی سے ملتی ہے کہ لوگوں نے آپ پر ظلم کیا، جنگیں ہوئیں، مصائب وآلام آئے، آپ نے اپنا وطن چھوڑا مگر آپ نے مخالفین کے لیے بددعا تک نہیں کی کہ داعی کی شان یہ ہے کہ وہ دعوت دین کے کام کے اندر انتقام اور بے صبری پر نہ آئے۔ داعی کا زیور صبر اور ہجر جمیل ہے کہ اس کی برکت یہ ہے کہ داعی دینِ حق کا سپاہی ہے اس لیے داعی پر حملہ دین پر حملہ ہے۔ دین حق کے داعیوں کو دفاع ضرور کرنا چاہیے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی غزوات ہوتے رہے مگر انتقام میں حد سے نہ بڑھے کہ مخالفین حق سے دنیا وآخرت میں انتقام اللہ لے گا۔ دین کا کام اور دعوتِ حق کا کام کردار طلب کام ہے جب تک داعی مطلوبہ کردار اور صفات سے متصف نہ ہوگا اس کی تمام تر محنت نتیجہ خیز نہ ہوگی۔

دعوتِ دین کا کام کرنے والے اپنی طبیعتوں سے کچا پن ختم کریں۔ کھری اور سچی باتیں کرنا ہی اہل حق کا شیوہ ہے۔ داعی جب تک حق پر قائم نہیں ہوتا اس کی زندگی نتیجہ خیزی سے خالی ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ خیزی ثقاہت، صداقتِ قول اور حضورِ قلب سے آئے گی اور حضورِ قلب کا ذریعہ قیامِ لیل ہے۔

﴿......﴾

دوسری صدی ہجری کے عظیم داعی محدث

امام عبدالرزاق بن ہمام رضی اللہ عنہ

از: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

اسم گرامی عبدالرزاق اور ابوبکر کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرزاق بن ہمام بن نافع۔ یمن کے پایۂ تخت صنعا میں ۱۲۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، صنعانی مشہور ہوئے۔ آپ کے والد، ہمام ثقہ تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدا میں اپنے والد اور مقامی شیوخ سے علم حاصل کیا، تجارت کے لیے اسلامی بلاد وامصار کے سفر کیے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**رحل فی تجارة الی الشام ولقی الکبار** '' وہ تجارت کی غرض سے شام جاتے اور وہاں کے کبار علما کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (تذکرہ ج:۱ ص:۵۱۹) غیر معمولی قوت حفظ وضبط کے مالک تھے۔ ابراہیم بن عباد زہری کا بیان ہے کہ ان کو سترہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ (الاعلام ج:۲ ص:۵۱۹)

امام عبدالرزاق نے بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ انہوں نے مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ میں کامل سات سال گزارے تھے۔ خود کہتے ہیں ''**جالست معمراً سبع سنین** '' (تذکرہ ج:۱ ص:۳۳۱) اور ان کے زمانے میں امام معمر کی مرویات کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔ امام احمد کہتے ہیں ''**کان عبدالرزاق یحفظ حدیث معمر** '' (ایضاً) ان کے شیوخ حسب ذیل ہیں:

ہمام، وہب، معمر، عبیداللہ بن عمر عمری، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ابن جریج، اوزاعی، مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن عمر عمری، زکریا بن اسحاق مکی، جعفر بن سلیمان، یونس بن سلیمان صنعانی، ابن ابی رواد، اسرائیل، اسماعیل بن عیاش۔ (تہذیب ج:۶ ص:۲۷۸)

علم وفضل: عبدالرزاق بن ہمام علم وفن میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ تبحر علمی، مہارت فن، قوت حفظ وضبط میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ ان کے علم وفضل کا اعتراف ارباب علم نے اس طرح کیا ہے:

☆ خیرالدین زرکلی: ''**من حفاظ الحدیث الثقات** '' وہ ثقہ حفاظ حدیث میں سے تھے۔

☆ علامہ یافعی: ''**الحافظ العلامة** '' حافظ اور بڑے علم والے تھے۔

☆ حافظ ذہبی: ''**احد الاعلام الثقات** '' وہ بڑے ثقہ عالم تھے۔ (تذکرہ ج:۱ ص:۳۳۱)

☆ ہشام بن یوسف: ''**کان عبدالرزاق اعلمنا واحفظنا** '' عبدالرزاق ہم میں سب سے بڑے عالم اور حافظ الحدیث تھے۔ (تہذیب، ج:۶ ص:۲۷۹)

☆ احمد بن صالح کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا ''**أرایت احدا احسن حدیثا من عبدالرزاق قال لا** '' کیا آپ نے کسی کو عبدالرزاق سے عمدہ حدیث والا پایا انہوں نے جواب دیا نہیں۔ (تہذیب ج:۶ ص:۲۷۹)

☆ ابوزرعہ کا بیان ہے میں نے امام احمد سے پوچھا ''**من اثبت فی ابن جریج عبدالرزاق او البرسانی قال عبدالرزاق** '' (ایضاً)

ماہرینِ علمِ حدیث امام عبدالرزاق کی صداقت وعدالت پر متفق ہیں۔ ان کے ثقہ وعادل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی احادیث صحاح ستہ میں مرقوم ہیں: حافظ ذہبی لکھتے ہیں ''**وثقه غیر واحد وحدیثه فخرج فی الصحاح** '' بہت سے ائمۂ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں۔ (تذکرہ ج:۱ ص:۳۳۱) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: معمر سے ابن ہمام کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علما سے زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے۔ نیز یہ فرمایا: ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق اثبت ہیں۔

تدریسی خدمات: امام عبدالرزاق کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر

اقصائے عالم سے تشنگانِ علم کا ہجوم سیلِ رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا اور شہر صنعا قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے معمور ہوگیا۔ ان کے استاذ معمر بن راشد نے پیشین گوئی کی تھی ''**اما عبدالرزاق فان عاش فخليق ان تضرب اليه اكباد الابل**''اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔(تہذیب ج:٦ص:٢٧٩)یہ پیشین گوئی حرف بحرف حقیقت ہوکر رہی۔مورخین کا بیان ہے کہ عہد رسالت کے بعد کوئی شخصیت اتنی مرجعِ خلائق اور پرکشش ثابت نہ ہوسکی۔علامہ یافعی نے آپ کو**المرتحل اليه من الآفاق** لکھا ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس لوگ مختلف اطرف واکناف سے آتے تھے۔(مرأۃ الجنان ج۲ ص۵۲)ابن اثیر لکھتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے جتنے ابن ہمام کے پاس آئے۔(اللباب فی تہذیب الانساب ج۲ص۶۱)ابن خلکان لکھتے ہیں''**مارحل الناس الى احد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل مارحلوا اليه**"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے کسی کی طرف اتنا سفر نہیں کیا جس قدر لوگ عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر ہوئے''۔(وفیات الاعیان: ج۲ ص۳۰۱)

آپ کے خرمنِ علم کے خوشہ چینوں کی تعداد کا اندازہ لگانا ازبس دشوار ہے۔چند اہم اور مشہور تلامذہ یہ ہیں:

ابن عیینہ، معتمر بن سلیمان، وکیع، ابو اسامہ، احمد، اسحاق، علی، یحیٰ، ابوخیثمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبداللہ بن محمد مسندی، سلمہ بن شبیب، عمرو الناقد، ابن ابی عمر، حجاج بن شاعر، یحیٰ بن جعفر بیکندی، یحیٰ بن موسیٰ، اسحاق بن ابراہیم، سعدی، اسحاق ابن مصور کوسج، احمد بن یوسف سلمی، حسن بن علی خلال، عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم، عبد بن حمید، محمد بن رافع، محمد بن مہران حمال، محمود بن غیلان، محمد بن یحیٰ ذہلی، ابومسعود رازی، اسحاق بن ابراہیم دبری۔(تہذیب التہذیب: ج۶ص۲۷۸)

الزام تشیع: بعض علمائے جرح وتعدیل نے آپ کو نقد وجرح کا بھی نشانہ بنایا ہے مگر تحقیق سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان اعتراضات کی کوئی اصل نہیں ان پر ایک اعتراض رفض وتشیع کی طرف میلان کا بھی ہے مگر اس بارے میں خود آپ نے فرمایا:''**والله ماانشرح صدری قط ان افضل عليا علىٰ ابی بكر وعمر**''بخدا میں اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا کہ میں علی کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دوں۔(تذکرہ: ج۱ص۳۳۱)

آپ پر الزام تشیع کی حقیقت محض اتنی ہے کہ بعض اکابر کی طرح وہ بھی حضرت علی اور اہل بیت کے بڑے گرویدہ تھے لیکن دوسرے صحابہ کے درجات ومراتب کو اہل سنت ہی کی طرح مانتے تھے۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: مجھ کو یہ جرأت نہیں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امیر المؤمنین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دوں اور میرا دل یاوری نہیں کرتا کہ ان کے تفاضل کو ثابت کروں کیوں کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہ تواتر ثابت ہے اور یقین کی حد تک پہونچ گیا ہے کہ فرمایا کرتے تھے مجھ کو ان دونوں حضرات پر فضیلت مت دو۔(بستان المحدثین: ص:۸۰)

تصنیفی خدمات: امام عبدالرزاق متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے مگر ان کی اکثر کتابیں امتداد زمانہ کی وجہ سے ناپید ہوچکی ہیں بعض کے نام یہ ہیں۔جامع یا سنن عبدالرزاق، کتاب السنن فی الفقہ، کتاب المغازی، تفسیر میں بھی ایک کتاب لکھی تھی، مصنف عبدالرزاق یہ کتاب نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے اس میں حدیثوں کو ابواب فقہ پر ترتیب دیا گیا ہے۔ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف اگرچہ مجموعی حیثیت سے زیادہ اہم اور وقیع ہے لیکن قدامت کے لحاظ سے وہ بھی اس مصنف سے کم پایہ ہے۔مصنف عبدالرزاق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں: اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مصنف کو شمائل پر ختم کیا ہے اور شمائل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے''**حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال كان شعر النبی صلی الله عليه وسلم الیٰ انصاف اذنيه**''حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک پہونچتے تھے۔(بستان المحدثین: ص:۸۰)

وفات: آپ کا وصال ماہ شوال ۲۱۱ھ میں ہوا۔﴿......﴾

مسئلہ اسراف وتبذیر تحقیقاتِ رضویہ کی روشنی میں

از: محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی

مسئلہ اسراف وتبذیر عالمی سطح پر اُمت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج بھرا مسئلہ ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے زندگی کی کئی جہات میں پیش قدمی کرنے میں سد راہ ثابت ہو رہا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس سے نجات کی کوئی صورت دور دور تک دکھائی نہیں پڑتی، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس خاص مسئلہ کو اس کے تمام گوشوں کے ساتھ واضح کیا جائے اور اس کے مالہ وماعلیہ کے اعتبار سے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تحقیقات جلیلہ کی روشنی میں گفتگو کی گنجائش نکالی جائے تا کہ ذرہ بھر اشکال وایراد باقی نہ رہے اور مسئلہ کی شفافیت سے نگاہیں خیرہ ہوں۔

فقیہ اسلام، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۷ھ میں طہارت میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنے سے متعلق ایک خاص سوال کے جواب میں ایک تفصیلی وتحقیقی رسالہ ''**برکات السماء فی حکم اسراف الماء**'' کے نام سے تحریر فرمایا جو فتاویٰ رضویہ مترجم مطبوعہ گجرات ص: ۶۵۱ تا ۷۶۵، ج: ۱/ر پر موجود ہے۔ ۱۱۵ر صفحات پر مشتمل اس رسالے میں قرآنی آیات، نبوی احادیث وآثار، اقوال ائمہ وفقہا تصریحات شارحین احادیث اور مستند ومعروف کتب لغات سے ۲۹۰ کے قریب حوالہ جات کی کہکشاں جگمگا رہی ہے جس میں مذکورہ مسئلہ کا شافی وکافی حل پیش کرنے کے ساتھ عنوان مقالہ کے تمام گوشوں پر تحقیقی انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مسئلہ اسراف وتبذیر کا عمومی اور خصوصی جائزہ لیا گیا ہے جو اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے شاید کہ کہیں اور ملے، اس لیے راقم اس پوری بحث کا خلاصہ پیش کر رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا قادری نے اسراف کی کل گیارہ صورتیں نکالی ہیں اور پھر دلائل وشواہد ونظائر کی روشنی میں ان پر بحث وتمحیص کے دروا کیے ہیں، وہ گیارہ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) غیر حق میں صرف کرنا (۲) حکم الٰہی کی حد سے بڑھنا (۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا مروت کے خلاف ہو (۴) طاعت الٰہی کے غیر میں اٹھانا (۵) حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا (۶) غیر طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا (۷) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی (۸) ذلیل غرض میں کثیر مال اٹھا دینا (۹) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا (۱۰) لائق وپسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا (۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا۔

امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

''اقـــول، اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے (۱) غیر حق میں صرف کرنا، یہ تفسیر سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، فریابی، سعید بن منصور، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابو حاتم طبرانی، حاکم بافادہ تصحیح، بیہقی نے شعب الایمان میں اور یہ لفظ ابن جریر کے ہیں، ان تمام حضرات نے اللہ تعالیٰ کے قول **ولا تبذر تبذیرا** کی تفسیر میں فرمایا کہ: **التبذیر فی غیر الحق وھو الاسراف** یعنی تبذیر ناحق خرچ کو کہتے ہیں، یہی اسراف ہے۔ (تفسیر ابن جریر، مصری ص: ۵۰ ج: ۱۵)

اور اسی کے قریب ہے کہ وہ تاج العروس میں بعض سے نقل کیا: **وضع الشی فی غیر موضعہ** یعنی بے جا خرچ کرنا۔

ابن ابی حاتم نے امام مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

لو انفقت مثل ابی قبیس ذھبا فی طاعۃ اللہ لم یکن اسرافاً ولو انفقت صاعا فی معصیۃ اللہ کان اسرافا.

(ترجمہ) اگر تو اللہ کی فرماں برداری میں کوہ ابوقبیس کے برابر سونا خرچ کردے تو بھی اسراف نہ ہوگا اور اگر تو ایک صاع بھی اللہ کی

نافرمانی میں خرچ کرے تو اسراف ہوگا (تفسیر کبیر، ص:۲۱۴، ج:۱۳)
امام احمد رضا نے جب اس مسئلہ کی ابتدا کی تو تنبیہ ۶ کے تحت فرمایا:
''اسراف بلا شبہ ممنوع وناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ: **ولا تعسرفوا انه لایحب المسرفین** (بے جاخرچ نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) قال اللہ تعالیٰ: **ولاتبذر تبذیرا، ان المبذرین کانو اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفورا.** مال بے جانہ اڑا، بے شک بے جا مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ (القرآن الکریم ۲۶، ۲۷/۱۷) اھ
اسراف کی وجہ اول بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا نے حاتم کی کثرت داد ودہش کے تعلق سے ایک مکالمہ پیش فرمایا یہ وہی حاتم ہے جس کا نام سخاوت میں ضرب المثل ہے، فرماتے ہیں:
''کسی نے حاتم کی کثرت داد ودہش پر کہا: **لا خیر فی سرف**، اسراف میں خیر نہیں، اس نے جواب دیا: **لاسرف فی خیر**، خیر میں اسراف نہیں۔
''**اقول** حاتم کا مقصود تو خدا نہ تھا، نام تھا کمانص علیہ فی الحدیث، تو اس کی ساری داد ودہش اسراف ہی تھی مگر سخائے خیر میں بھی شرع مطہر اعتدال کا حکم فرماتی ہے، **قال اللہ تعالیٰ: ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا** (فرمان الٰہی ہے: اور تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ کر نہ رکھ اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے ورنہ تو ملامت زدہ، حسرت زدہ ہو کر بیٹھ رہے گا)'' (فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۰، ج:۱)
آگے کی سطور میں بھی آیات قرآنیہ سے مسئلۂ اعتدال کو مبرہن کیا ہے اور غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم تصدق پر حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم کے جذبہ مسابقت والے واقعہ کو بطور شاہد پیش کر کے امام نے لکھا کہ:
''اور تحقیق یہ ہے کہ عام کے لیے وہی حکم میانہ روی ہے اور صدق توکل وکمال تبتل والوں کی شان بڑی ہے''
اور پھر اسراف کی دوسری صورت کا تذکرہ فرمایا:
(۲) حکم الٰہی کی حد سے بڑھنا، یہ تفسیر ایاس بن معویہ بن قرہ تابعی ابن تابعی ابن صحابی کی ہے ابن جریر اور ابوالشیخ نے سفیان بن حسین سے ابوبشر سے روایت کی کہ لوگوں نے ایاس بن معویہ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، اور ان سے دریافت کیا کہ اسراف کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **ماتجاوزت به امر الله فهوا اسراف**: وہ خرچ جس میں تم اللہ کے حکم سے تجاوز کرو وہ اسراف ہے (ابن جریر، مصر ص۴۲، ج۸)
اور اسی کی مثل اہل لغت سے ابن الاعرابی کی تفسیر **کما سیاتی من التفسیر الکبیر.**
تعریفات السید میں ہے:
الاسراف تجاوز الحد فی النفقة (نفقہ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے) (فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۱، ۶۹۲، ج:۱)
اور اسراف کی تیسری صورت کو یوں واضح فرمایا ساتھ ہی حکم بھی بیان کیا، فرماتے ہیں:
(۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرع مطہر یا مروت کے خلاف ہو، اول حرام ہے اور ثانی مکروہ تنزیہی،
طریقہ محمدیہ میں ہے، **الاسراف والتبذیر ملکة بذل المال حیث یجب امساکه بحکم الشرع أوا لمروة وهی رغبة صادقة للنفس فی الافادة بقدر مایمکن وهما فی مخالفة الشرع حرامان وفی مخالفة المروة مکرومان تنزیهاً** (طریقہ محمدیہ، ص:۲۸، ج:۲)
(ترجمہ) اسراف اور تبذیر مال کو ایسے مقام پر خرچ کرنے کا ملک ہے جہاں اس کو بحکم شرع یا بحکم مروۃ روکے رکھنا واجب ہے، اور مروۃ یہ رغبت صادقہ ہے نفس کی امکانی حد تک کسی کو فائدہ پہونچانے کے لیے اور یہ دونوں چیزیں مخالفت شرع میں حرام ہیں اور مخالفت مروۃ میں مکروہ تنزیہی ہیں۔
امام احمد رضا قادری نے صورت مذکورہ کو دلائل سے واضح کرنے کے بعد بطور خلاصہ تحریر فرمایا:
''**اقول وباللہ التوفیق** آدمی کے پاس جو مال زائد بچا ہے اور اس نے ایک فضول کام میں اٹھا دیا جیسے بے مصلحت شرعی مکان کی زینت وآرائش میں مبالغہ، اس سے اسے تو کوئی نفع ہوا نہیں اور اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو دیتا تو ان کو کیسا نفع پہنچتا تو اس

حرکت سے ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی بے معنی خواہش کو ان کی حاجت پر مقدم رکھا اور یہ خلاف مروت ہے'' (فتاویٰ رضویہ،ص:۶۹۳، ج:۱)

چوتھی صورت وجہ کو یوں بیان فرمایا:

(۴) طاعت الٰہی کے غیر میں اٹھانا۔ قاموس میں ہے: **الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة**، اسراف فضول خرچی ہے یا غیر طاعت میں خرچ کرنا ہے۔ (قاموس المحیط ص:۱۵۶،ج:۳)

ردالمحتار میں اسی کی نقل پر اقتصار فرمایا اقول ظاہر ہے کہ مباحات نہ طاعت ہیں نہ ان میں خرچ اسراف مگر یہ کہ غیر طاعت سے خلاف طاعت مراد لیں تو مثل تفسیر دوم ہوگی'' (رضویہ ص:۶۹۳، ج:۱)

اور اسراف کی پانچویں صورت اس طرح واضح کی:

(۵) حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا، **کما تقدم فی صدر البحث عن الحلیه والبحر وتبعهما العلامة الشامی**

اور چھٹی صورت کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں:

(۶) غیر طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا، نہایہ اثیر و مجمع بحارالانوار میں ہے: **الاسراف والتبذیر فی النفقة لغیر حاجة او فی غیر طاعة الله تعالیٰ**، اسراف اور تبذیر بغیر ضرورت خرچ یا غیر طاعت خداوندی میں خرچ۔

ساتویں صورت میں رقم طراز ہیں:

(۷) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی، تفسیر ابن جریر میں ہے: **الاسراف فی کلام العرب الاخطاء باصابة الحق فی العطیة اما بتجاوزه حده فی الزیادة واما بتقصیر عن حده الواجب**، کلام عرب میں اسراف کے معنی عطیہ دینے میں حق کو چھوڑ دینے کے ہیں یا حد سے تجاوز کرنے میں یا حد واجب سے تقصیر کرنے میں''

آگے مزید ارقام فرماتے ہیں:

''اقول یہ عطا کے ساتھ خاص ہے اور اسراف کچھ لینے دینے میں ہی نہیں، اپنے خرچ کرنے میں بھی ہے'' (ص:۶۹۵، ج:۱)

آٹھویں کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(۸) ذلیل غرض میں کثیر مال اٹھا دینا۔ تعریفات السید میں ہے: **الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس**، اسراف مال کثیر کا گھٹیا مقصد کے لیے خرچ کرنا۔

پھر اس تعریف پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اقــــول یہ بھی جامع نہیں: بے غرض محض تھوڑا مال ضائع کر دینا بھی اسراف ہے'' (فتاویٰ رضویہ ص:۶۹۵، ج:۱)

خاص کھانے سے متعلق اسراف کی نویں صورت پیش کرتے ہیں:

(۹) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا، **حکاه السیدقلیلا**''

اور دسویں صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱۰) لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اٹھا دینا، تعریفات علامہ شریف میں ہے: **الاسراف صرف الشیی فیما ینبغی زائد علی ما ینبغی بخلاف التبذیر فانه صرف الشی فیما لاینبغی.**

اسراف جہاں خرچ کرنا مناسب ہو وہاں زائد خرچ کر دینا ہے اور تبذیر یہ ہے کہ جہاں خرچ کی ضرورت نہ ہو وہاں خرچ کیا جائے (التعریفات ص۱۰)

آگے علامہ شریف کے ذریعہ بیان کردہ لفظ ینبغی، لاینبغی پر وضاحت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اقول ینبغی کا اطلاق کم از کم مستحب پر آتا ہے اور اسراف مباح خالص میں اس سے بھی زیادہ ہے، مگر یہ کہ جو کچھ لاینبغی نہیں سب کو ینبغی مان لیں کہ مباح کاموں کو بھی شامل ہو جائے ولیس ببعید، اور عبث محض اگر چہ بعض جگہ مباح بمعنی غیر ممنوع ہو مگر زیر لاینبغی داخل ہے تو اس میں جو کچھ اٹھے گا اس تفسیر پر داخل تبذیر ہوگا۔''

گیارہویں اور آخری صورت کو یوں نمایاں فرمایا:

(۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا، قاموس میں ہے: **ذهــــب مـــاء الحوض سرفا فاض من نواحیه** (جب حوض کا پانی اس کے کناروں سے بہہ نکلے تو کہتے ہیں کہ پانی سرف چلا گیا) تاج العروس میں ہے:: **قال شمر: سرف الماء ماذهب منه فی غیر سقی ولانفع یقال اروت البئر النخیل وذهب بقیة الماء سرفا** (شمر نے کہا: سرف الماء کے معنی یہ ہیں کہ پانی سیرابی اور نفع کے بغیر ضائع ہوگیا۔ کہتے ہیں **اروت البئر النخیل وذهب بقیة الماء سرفا**)

تفسیر کبیر و تفسیر نیشاپوری میں ہے:

(ترجمہ) جاننا چاہئے کہ اہل لغت کا اسراف کی تفسیر میں اختلاف ہے اس میں دو قول ہیں، ابن العربی نے کہا کہ **السرف** جو

حد ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا، شمر نے کہا کہ سرف سے مراد یہ ہے کہ مال کا منفعت کے غیر میں خرچ ہونا''

اسراف کی گیارہ صورتیں بیان کر لینے کے بعد امام احمد رضا فیصلہ کن انداز میں بڑی محقق بات تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے کلام کا ناظر خیال کرسکتا ہے کہ ان تمام تعریفات میں سب سے جامع ونافع وواضح تر تعریف اول ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ اس عبداللہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گھڑی فرماتے اور جو خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہے اور جو ابو حنیفہ جیسے امام الائمہ کا مورث علم ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین' (فتاویٰ رضویہ، ص:۶۹۶، ج:۱)

امام احمد رضا قدس سرہ نے تبذیر کے باب میں علما کے دو قولوں کی وضاحت کی ہے (۱) تبذیر اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صرف کرنا ہے، امام نے اسی کو صحیح کہا ہے اور یہی قول عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عامہ صحابہ کا ہے پھر اس کے بعد امام احمد رضا نے ابن جریر، نہایہ اثیر، مختصر امام سیوطی، قاموس المحیط کی عبارتیں بطور حوالہ نقل کی ہیں۔ (۲) تبذیر واسراف میں فرق ہے، تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے دونوں میں فرق وتبائن کے حوالے سے بھی امام نے ابن جریر، تاج العروس اور عنایۃ القاضی وغیرہا کتابوں سے اقتباس پیش فرماتے ہیں۔

مسئلۂ اسراف وتبذیر سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات انیقہ سے استفادہ کرنا، اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا، اسراف وتبذیر کی قباحت وشناعت سے اپنا دامن پاک وصاف رکھنا اور اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ زندگی میں ہر عمل خیر کرنا امت مسلمہ کے لیے ہر فرد کے لیے لازمی وضروری ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ ﴿......﴾

غلام مصطفیٰ رضوی کو ''کلک رضا ایوارڈ'' ملنے پر مبارکباد

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اپنی قلمی خدمات سے جماعت اہل سنت میں اپنی الگ شناخت بنانے والے جناب غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں، مہاراشٹر) کو ان کی قلمی اور اشاعتی خدمات کے اعتراف میں ۴؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو انجمن ثنائیہ دارالیتامیٰ (میرا روڈ، ممبئ) کے ارکان نے ''کلک رضا ایوارڈ'' سے نوازا ہے۔ یہ ایوارڈ شیخ طریقت مولانا سید محمد علی احمد، مفتی سید شاکر حسین سیفی اور ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے ہاتھوں پیش کیا گیا۔ انجمن ثنائیہ دارالیتامیٰ کی جانب سے مذکورہ تاریخ کو ایک تعلیمی اجلاس منعقد ہوا اس میں ممبئ اور بیرون ممبئ کی سرکردہ دینی، علمی اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔ اس موقع پر درجنوں علمائے کرام وائمہ مساجد بھی زینت بزم تھے۔ غلام مصطفیٰ رضوی کو کلک رضا ایوارڈ ملنے پر سید فرقان علی چشتی (اجمیر شریف)، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، مولانا عبدالسلام رضوی (بریلی شریف)، ارکان مجلس رضا (لاہور)، مفتی ولی محمد رضوی (باسنی)، ارکان ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی)، الحاج محمد سعید نوری (رضا اکیڈمی ممبئ)، سید منور علی شاہ بخاری (امریکہ) ڈاکٹر رئیس احمد رضوی، شکیل احمد سبحانی (رضا اکیڈمی مالیگاؤں)، ڈاکٹر اشفاق انجم پرنسپل نایٹ کالج، ڈاکٹر عبدالطیف انصاری، ایم ایس۔ جی کالج، الحاج سید امین القادری (سنی دعوت اسلامی مالیگاؤں)، مولانا محمد میاں مالیگ، (مالیگ فیملی، یوکے) مولانا توفیق برکاتی مصباحی، صادق رضا مصباحی، مظہر حسین علیمی، حافظ ابوبکر رضوی، محمد زبیر قادری (ممبئ)، ڈاکٹر عبدالعلیم رضوی (اندور)، کے۔ ایف۔ انصاری، محمد مصطفیٰ آفندی سر، حافظ شکیل احمد رضوی، محمد افضل برکاتی (جامعۃ الرضا برکات العلوم مالیگاؤں) اور میرا روڈ کی دینی وعلمی شخصیات نے مبارکباد وتہنیت پیش کی۔ ملک وبیرون ملک سے ان کو مبارکبادی کا سلسلہ جاری ہے۔ تحریک سنی دعوت اسلامی بھی ان کو مبارکباد پیش کرتی ہے۔ (ادارہ)

ایضاح حقیقت منظر عام پر

قطب گجرات حضرت علامہ شیخ وجیہ الدین احمد علوی گجراتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصوف پر مایہ ناز تصنیف ''حقیقتِ محمدیہ'' ہے جس کی شرح ان کے تلمیذ رشید علامہ شیخ عبدالعزیز خالدی گجراتی قدس سرہ نے فارسی میں کی ہے، جب کی اصل کتاب عربی میں ہے۔ اور ہر دو کا ترجمہ مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی نے ''ایضاحِ حقیقت'' کے نام سے کردیا ہے، متن اور شرح دونوں اصل حالت میں شامل کتاب ہے۔ صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے سب پر نظر ثانی بھی فرمائی ہے۔ تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ کتاب بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کل صفحات کی تعداد ۳۰۳ ہے۔ ہدیہ =/Rs.150 رابطہ کا پتہ: منیجر المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) Pincode.276404 موبائل نمبر: 09838189592

علامہ اقبال کا ایک قیمتی مشورہ ہر داعی کے لیے

دماغ نہیں دل کو مسخر کیجیے

پیش کش: صادق رضا مصباحی

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر اقبال دعوت و تبلیغ کے متعلق اپنے ایک دوست کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

☆''قبولِ اسلام میں اصل چیز دل ہے جب دل ایک تبدیلی پر رضامند ہو جاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی تمام جسم اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اس تبدیلی کی تائید کے لیے وقف ہو جائے۔ ہمیں اسلام کے قدیم و جدید مبلغوں میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ قدیم مبلغوں کا وار غیر مسلموں کے دلوں پر ہوتا تھا وہ اپنی للّٰہیت، بے نفسی، خوش خلقی اور احسان و مروت کی جادو اثر اداؤں سے دلوں کو گرویدہ کرتے تھے اور اس طرح ہزار ہا لوگ از خود بغیر کسی بحث و تکرار کے ان کے رنگ میں رنگ جاتے تھے مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے۔ وہ صداقت اسلام پر ایک دلیل دیتے ہیں مقابلے میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کر دیتے ہیں اس پر بحث و تکرار شروع ہو جاتی ہے اور ہدایت ختم ہو جاتی ہے''۔

☆''مبلغین اسلام کو دلوں کو متاثر کرنے کے لیے نکلنا چاہیے یا دماغوں کو؟۔ اس فیصلے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم فطرت کی روش کی پیروی کریں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لیے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے۔ فطرت کھانے میں لذت پیدا کرتی ہے اور آپ اسے بے اختیار کھا جاتے ہیں۔ اس وقت ایک بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کیا یہ کھانا طبی لحاظ سے مفید ہوگا۔ آپ کہیں جارہے ہوتے ہیں کہ ناگہاں پھولوں کی ایک خوشنما زمین اور لب جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آجاتا ہے آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں وہیں ٹھنڈی ہوا کا ایک دلنواز جھونکا آتا ہے اور آپ کو میٹھی نیند سلا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے سونا چاہیے یا نہیں۔ مختصر یہ کہ فطرت ہر کام میں لوگوں کو گرویدہ کر کے مطلب نکالتی ہے وہ دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی۔ اسلام چونکہ سراسر نور فطرت ہے اس واسطے مبلغین کو چاہیے کہ اخلاق و محبت کی گہرائیوں سے دلوں کو اس طرح شکار کریں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مبلغ اسلام، اسلامی کیرکٹر کی عظمت کے مالک ہوں تاکہ سرکش سے سرکش آدمی بھی ان کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ باقی رہے دماغی مباحث اور عقلی تکرار تو اس سے نہ تو دل مطمئن ہو سکتے ہیں، نہ منقلب ہو سکتے ہیں اور نہ فطرت رام ہو سکتی ہے''۔

''میں سمجھتا ہوں کہ دل اور دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے۔ دماغ اکثر اوقات ہزار ہا مضبوط دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا لیکن دل اس کے برعکس بعض اوقات کمزور سے کمزور چیزوں سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ قبول اسلام کا تعلق جس قدر دل سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اصل بات جو مبلغ کو معلوم ہونا چاہیے یہ ہے کہ وہ کون سے نشتر ہیں جن سے دل متاثر ہوا کرتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے انقلاب حیات کی ہزار ہا مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے حالات کے تحت ایک خیال یا ایک مذہب پر چٹان کی طرح قائم ہوتا ہے ناگہاں غیب سے اس کے دل پر ایک نشتر چلتا ہے اور چشم زدن میں اس کی زندگی کی تمام گزشتہ تاریخ بدل جاتی ہے۔ صداقت اسلام کے عقلی دلائل تو آپ کے پاس بہت ہیں مگر قلبی دلائل کم ہیں اگر آپ نومسلموں کے پاس جائیں تو وہ بتائیں گے کہ اسلام کی

وہ کونسی بے ساختہ ادا تھی جوان کے دل کو بھا گئی۔ اگر ان کے بیانات ایک کتاب میں جمع کر دیے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ انقلابات کی بالکل نئی دنیا مبلغین کے سامنے آجائے گی اور اشاعت اسلام کے لیے ایسے نئے دلائل یا جدید ہتھیار مل جائیں گے جن سے اسلام کا موجودہ کتب خانہ خالی ہے''۔

(دعوت اسلام: اقوام عالم اور برادران وطن کے درمیان، مصنفہ: پروفیسر محسن عثمانی)

☆☆☆

دعوت کا راستہ پھولوں سے آراستہ نہیں

از: مصطفیٰ مشہور

جب اللہ کی دعوت چلتی ہے اور اصحاب دعوت صحیح راستے میں اسے پوری جامعیت، صفائی اور کاملیت کے ساتھ لے کر چلتے ہیں اور اس میں کوئی کمی بیشی یا تحریف نہیں کرتے تو نتیجہ بالکل معلوم و معروف ہوتا ہے اور یہ اللہ کے دشمن اچھی طرح جانتے ہیں یعنی یہ کہ ان کے باطل کا خاتمہ اور اس کی جگہ پر نظام حق کا قیام فالحق احق ان یتبع کیوں کہ حق ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

اسی لیے اللہ کی دعوت کو روکنے اور داعیان حق کو صحیح راستہ سے ہٹانے کے لیے اعدائے حق پیہم اور متواتر کوششیں کرتے ہیں چنانچہ مومنین آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں اور بحیثیت ایک جماعت مومنین کے لیے ان آزمائشوں سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ اپنی دعوت ہی سے دست کش یا اس کے بعض پہلوؤں سے دست بردار ہو جائیں جو دشمنان حق کا جینا دوبھر کیے ہوئے ہیں یا وہ دعوتی جدوجہد اور اس کی سرگرمیوں سے ہی رک جائیں۔ یہ تمام صورتیں فی الحقیقت دعوت کے ساتھ اس راستے سے انحراف ہے جسے اللہ نے پسند فرمایا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چلے تھے اور جس پر چلنا ہمارے لیے واجب ہے۔

لہٰذا داعیان حق اور اس عقیدہ و فکر کے علمبرداروں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دعوت کا راستہ پھولوں سے آراستہ نہیں ہے۔ انہیں پورے عزم اور صبر کے ساتھ اپنے عقیدے پر جمنا چاہیے اور اللہ کی تائید و نصرت پر اطمینان رکھنا چاہیے کیوں کہ دشمنان خدا فی الوقع داعیوں سے نہیں لڑتے جنہیں وہ اپنے تازیانوں اور پھانسیوں کا ہدف بناتے ہیں بلکہ وہ اللہ اور اس کی دعوت سے جنگ کرتے ہیں ''وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' ترجمہ: اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر آدمی نہیں جانتے (سورۂ یوسف/۲۱)

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم قید خانوں اور زندانوں کے عاشق اور خواہاں ہیں اور قتل اور ایذا و تعذیب کے خواہش مند ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہم تو ہمیشہ عافیت کے خواستگار ہیں اور اس بات کے آرزومند ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے کافروں سے نجات دے اور ہم عافیت کے کسی موقع کو جو ہمیں میسر ہوتا ہے ٹھکرانے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ ہمارے عقیدہ، صحیح سمت اور دعوتی جدوجہد کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

ہم دشمن سے مڈبھیڑ کے بھی متمنی نہیں ہیں اور نہ اسے مشتعل کرتے اور بھڑکاتے ہیں اور نہ اسے ظلم و زیادتی کا کوئی بہانہ اور عذر فراہم کرتے ہیں۔ اب اگر اس کے باوجود ایذارسانی اور سختی کرنے پر ہی مصر ہوتا ہے تو وہ اس طرح دعوت سے اپنی دشمنی میں بے نقاب ہو جاتا ہے اور ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ صبر اور تحمل سے کام لیں اور اسی پر اکتفا اور قناعت کرے نہ ہم دعوتی جدوجہد میں کمی کریں اور نہ کوتاہی۔

(ماخوذ: دعوت دین کی راہ)

﴿......﴾

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

طلبِ شفاعت کے متعلق ایک اہم فتویٰ

ائمہ عظام اور اکابر دیوبند کے اقوال کی روشنی میں

فتویٰ: ڈاکٹر علی جمعہ محمد مفتی اعظم مصر
ترجمہ، تحقیق، تخریج: فہیم احمد ثقلینی ازہری

سوال: آیت کریمہ "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً" میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ اگر کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو بخشش ومغفرت کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضری دیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حکم آپ کی حیات ظاہری تک ہی محدود تھا یا پھر تا قیامت اس کا حکم باقی ہے۔ بینوا توجروا۔

بسم الله الرحمن الرحمن، نحمده و نصلی علیٰ حبيبه الكريم

الجواب: مذکور فی السوال آیت کریمہ مطلق ہے۔ اس میں کسی طرح کی نصی یا عقلی قید نہیں ہے کہ یہ حکم صرف حیات مبارکہ تک ہی خاص ہو۔ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنین کو جو حکم دیا ہے یہ حکم تا قیامت باقی وساری اور جاری وثابت ہے۔ اس آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسے آپ کی حیات دنیویہ تک محدود در کھے۔ اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے "اور وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔"

یہ قاعدہ معروف ومسلم ہے کہ "العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب" عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں اور جو یہ دعویٰ کرے کہ یہ حکم آپ کی حیات مبارکہ تک خاص تھا۔ "فعليه يأتی بالدليل" تو اس شخص پر اپنے دعویٰ کی تائید میں دلیل لانا ضروری ہے اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ "ان المطلق يجری علی اطلاقه" کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور مطلق کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا ہے کہ وہ اصل ہے اور مقید وہ ہے جسے دلیل کی احتیاج ہو یہ مفسرین کرام کا راجح مذہب ہے۔

اکثر مفسرین کرام نے اس آیت کے بعد مندرجہ ذیل واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے مثلاً امام ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے بعد اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ "علما کی ایک جماعت نے اس واقعے کو اپنی اپنی مصنفات ومؤلفات میں بطور دلیل تحریر کیا ہے علما کی اس جماعت میں شیخ ابوالنصر الصباغ نے اپنی کتاب "الشامل" میں حضرت عتبی سے یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ امام محمد بن عبداللہ عتبی نے کہا میں مسجد نبوی میں روضۂ اقدس کے قریب بیٹھا ہوا تھا ایک اعرابی حاضر ہوا اور روضۂ اقدس کی معطر خاک شریف اپنے سر پر ڈالتے ہوئے عرض کی، بڑے اچھے انداز میں سلام عرض کیا اور بڑی حسین دعا مانگی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی جس میں تمام اولین وآخرین کا علم جمع ہے اور اپنی کتاب میں فرمایا اور اس کا ارشاد برحق ہے "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ" میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی شفاعت طلب کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ ناز میں حاضر ہوا ہوں۔ یہی وہ دربار ہے جہاں کی حاضری پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے پھر روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہوکر درج ذیل اشعار پڑھنے لگا:

(۱)............يا خير من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طيبهن القاع والاكم
(۲)............انت النبی الذی ترجیٰ شفاعته
عند الصراط اذا مازلت القدم
(۳)............نفسی الفداء لقبرٍ انت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ترجمہ: (۱) اے زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے افضل واعلیٰ شخصیت، آپ کی خوشبو سے میدان اور فضائیں معطر ہیں۔

(۲) جب پل صراط پر پاؤ ڈگمگائیں گے تو آپ ہی وہ معظم نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید لگائی جاتی ہے۔

(۳) میری جان اس روضۂ اقدس پر فدا ہو جہاں آپ محوِ آرام ہیں اس میں پاکیزگی اور اسی میں سراپا جود و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چلا گیا۔ میں (عتبی) کسی شک وشبہے کے بغیر کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ مغفرت حاصل کر کے چلا گیا اور اس سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی درخواست نہیں سنی گئی۔

اس کے بعد امام محمد بن عبداللہ عتبی کا اپنا عینی مشاہدہ اور اضافی بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے نیند آ گئی تو مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ''**یاعتبی الحق الاعرابی فبشرہ ان اللہ غفر لہ**'' اے عتبی جلدی سے اس اعرابی سے ملو اور اسے یہ خوشخبری دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔ اس واقعے میں خواب سے استدلال کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ امام ابن کثیر نے اس کو آیت کی تفسیر میں بطور دلیل پیش کیا ہے اور کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا ہے یہ قابل غور ہے۔ ثانیاً اس اعرابی کا یہ اعتقاد تھا کہ بعد وصال بھی اس آیت کریمہ کا حکم باقی ہے۔ ثالثاً یہ کہ امام عتبی نے اعرابی کو اس فعل سے منع نہیں کیا کہ بعد وصال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر گناہوں کی مغفرت طلب کرنا منع ہے۔

اکثر فقہائے کرام نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کے استحباب پر استدلال کیا ہے کہ روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے اور اس وقت اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنا چاہیے۔ اس آیت کریمہ کے تعلق سے مذاہب اربعہ ملاحظہ فرمائیں۔

مذہب حنفی: زیر بحث آیت کریمہ کے متعلق ائمہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا حکم تا قیامت باقی وثابت ہے اور روضۂ اقدس کی زیارت کے دوران اس آیت کریمہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے آداب کے متعلق ائمہ احناف فرماتے ہیں ''**ثم یقف عند رأسہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الاول ویقول اللھم انک قلت وقولک الحق. ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک**'' مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرے یااللہ! تیرا ارشاد حق ہے کہ اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کریں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔(**الفتاویٰ الھندیۃ، لجنۃ برئاسۃ نظام الدین بلخی** ج۱،ص۲۶۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مذہب مالکی: زیر بحث مسئلہ میں ائمہ مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ جیسا کہ امام ابن الحاج العبدری المالکی لکھتے ہیں کہ روضۂ اقدس پر حاضری دے تو آپ کو خدا کی بارگاہ میں واسطہ ووسیلہ بنائے۔ وہ گناہوں اور خطاؤں کو معاف کرانے کی جگہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی برکت اور عظمت کے سامنے ہمارے گناہوں اور خطاؤں کی کوئی اوقات نہیں ہے تو اس شخص کے لیے بشارت ہے جس نے آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت کی اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرے یا الٰہ العالمین مجھے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ فرما اور جس شخص نے اس کے برخلاف اعتقاد کیا تو وہ محروم الفیض اور شفاعت سے ناامید ہے۔ کیا اس کم نصیب اور ناعاقبت اندیش نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ''**ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک...... الخ**'' تو جو شخص روضۂ اقدس پر حاضری دیتے وقت آپ کو وسیلہ بنائے گا تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں سے یہ وعدہ فرمایا ہے جو میرے حبیب کی بارگاہ میں توبہ کے لیے حاضری دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ کسی بھی صحیح العقیدہ مومن کو اس میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب سے بغض وعناد رکھنے والے کے لیے اور منکر دین کے لیے شک کی جگہ ہے۔ **نعوذ باللہ من الحرمان.** (**المدخل للامام ابن الحاج العبدری المالکی** ج۱،ص۲۶۰، مطبوعہ دارالتراث بیروت)

مذہب شافعی: ائمہ شوافع میں معروف ومشہور حضرت امام نووی شارح صحیح مسلم اس سلسلے میں روضۂ اقدس کی زیارت کے آداب میں رقم طراز ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کے سامنے حاضر ہو اور آپ کی ذات مبارکہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائے اور خدا کی بارگاہ میں شفاعت کا طلب گار ہو اور دوران حاضری سب سے بہتر قول وہ ہے جس کو امام ماوردی اور قاضی ابوالطیب کے علاوہ ہمارے تمام اصحاب شوافع نے امام عتبی سے اعرابی والا واقعہ نقل کیا (جو ابھی ماسبق میں گزرا) **المجموع للامام النووی** ج۸،ص:۲۵۶ **مطبوعہ مطبعۃ المنیریہ بمصر**)

مذهب حنبلی: ائمہ حنابلہ میں مشہور ومعروف امام شیخ ابن قدامہ حنبلی مقدسی فرماتے ہیں کہ مواجہہ شریف کے سامنے قبلہ کی جانب بیٹھ کر کے کھڑا ہو اور دست بستہ باادب عرض کرے "**السلام علیک یا ایها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علیک یا نبی الله اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله**" میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ہم تک پہنچائے اور امت کی خیر خواہی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا اور لوگوں کو حکمت وموعظت کے ذریعہ رب کی طرف بلایا آپ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کرے "**ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک**" یاالٰہ العالمین تیرا فرمان حق ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گناہوں کی مغفرت کے لیے حاضر ہوں اور شفاعت کا طلبگار ہوں۔ یا اللہ! میری مغفرت فرما۔ پھر اس کے بعد ماں باپ عزیز و اقارب دوست واحباب اور جملہ مسلمین ومومنین کے لیے دعائے خیر کرے۔ (**المغنی، للامام عبدالله بن احمد بن قدامة الحنبلی المقدسی، ۳/ ۲۹۸، داراحیا التراث العربی بالقاهره بمصر**)

اس کے علاوہ امام مصطفیٰ بن سعد بن عبدہ الرحیبانی حنبلی فرماتے ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے دوران اس آیت شریفہ کا ورد کرنا مستحب ہے اس کے علاوہ دوران زیارت یوں عرض کرے۔ (امام ابن قدامہ حنبلی کی مذکورہ بالا روایت) "**مطالب اولیٰ النهی للامام مصطفی بن عبده الرحیبانی، ۲/ ۴۴۱، مطبوعه المکتب الاسلامی بالقاهره مصر**")

خلاصه: مذکورہ بالا ائمہ کرام، علمائے عظام کے اقوال سے یہ امر روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوگیا کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے دوران اس آیت کریمہ کا پڑھنا مستحب ہے اور ائمہ کرام کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تا قیامت باقی وثابت ہے۔ امت محمدیہ کے علما وائمہ کا سلفاً وخلفاً یہی مذہب ہے۔ اس کا انکار کم عقل، یتیم العلم اور محروم الفیض ہی کرسکتا ہے۔ بعد از وصال ظاہری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استغفار عقلاً، نقلاً یا شرعاً ممتنع نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے "**حیاتی خیر لکم تحدثون وتحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت الله ومارأیت من شر استغفرت الله لکم**" "اے میرے غلامو! میری حیات تمہارے لیے باعث خیر ہے کہ تم پر احکام شریعت بیان کیے جاتے ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لیے باعث خیر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں پس خیر کو دیکھنے پر اللہ کی تعریف کروں گا اور شر کو دیکھنے پر تمہارے لیے اللہ سے استغفار کروں گا۔ **والله تعالیٰ اعلم بالصواب**۔

(فتاویٰ کا ترجمہ مکمل ہوا اس پر حاشیہ ہدیہ قارئین ہے)

واقعۂ عتبی کی تحقیق: حضرت امام محمد بن عبداللہ عتبی کی جانب منسوب واقعہ اصولی اور فنی اعتبار سے صحیح ہے اور قابل اعتبار واستناد ہے اور ہر عصر وزمانے میں ثقہ رواۃ نے اسے اپنی اپنی مؤلفات میں تخریج کیا ہے۔ چند ائمہ اعلام اور معتبر کتب کے حوالے ہدیۂ قارئین ہیں:

امام بیہقی نے **شعب الایمان** ۳/ ۴۹۵، ۷/ ۱۸ میں، امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۲/ ۳۰۶ میں، امام قرطبی نے اپنی تفسیر **الجامع لاحکام القرآن** ۵/ ۲۶۵ میں، امام نسفی نے اپنی تفسیر **مدارک التنزیل** ۱/ ۲۳۴ میں، امام ابن بشکوال نے "**القربة الی رب العالمین بالصلاة علیٰ سید المرسلین** ص ۱۶" میں امام نووی نے "**ایضاح**" ص ۴۵۴، میں اور **البحر المحیط** ۳/ ۶۹۴ میں تخریج کیا ہے۔

تخریج الحدیث: امام قاضی عیاض مالکی اندلسی نے "**کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ** ۱/ ۹۱" میں، امام بزار نے اپنی مسند "**کشف الاستار** ۱/ ۳۷۹" میں، امام ہیثمی نے "**مجمع الزوائد** ۹/ ۲۴" میں، امام حارث نے اپنی مسند ۲/ ۸۸۴ میں، امام ابن کثیر نے "**البدایة والنهایة** ۵/ ۲۷۵" میں، اس کی تخریج کی ہے۔ امام دیلمی نے "**مسند الفردوس بما ثور الخطاب** ۱/ ۱۸۳" رقم الحدیث ۶۸۶ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ امام عبداللہ بن عدی نے "**الکامل فی معرفة ضعفاء المحدثین** ۳/ ۷۶، رقم الحدیث ۹۵۳" میں، امام عجلونی نے "**کشف الخفا ومزیل الالباس** ۱/ ۴۴۲" میں امام دیلمی نے "**مسند الفردوس بما ثور الخطاب** ۲/ ۱۳۷، رقم ۱۱۷۸" میں حضرت انس بن مالک سے مختلف الفاظ کی تغییر کے ساتھ روایت کی ہے۔

بکر بن عبداللہ مزنی سے درج ذیل محدثین نے اس روایت کو "مرسلاً" روایت کیا ہے۔

امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد ۲/۸۸۴'' میں، امام ابن سعد نے ''الطبقات الکبری ۲/۱۹۴'' میں، امام عجلونی نے ''کشف الخفا ومزیل الالباس ۱/۴۴۲، رقم ۱۱۷۸، میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔انتہیٰ۔

امام ابوبکر ہیثمی نے مجمع الزوائد میں تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث کی سند کے جملہ رجال صحیح ہیں اور امام ابوزرعہ عراقی نے ''طرح التثریب ۳/۲۹۷'' میں کہا ''**اسنادہ جید**'' اس حدیث کی سند جید ہے اور امام مناوی نے ''فیض القدیر ۳/۴۰۱'' میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کہا تعجب ہے اس شخص پر جس نے یہ گمان کیا کہ یہ حدیث ''حدیث مرسل'' ہے۔ ان کے علاوہ علما ومحدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ ان محدثین میں امام نووی، امام ابن التین، امام قرطبی، قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔انتہیٰ۔

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا وہ مکالمہ جو خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور سے مسجد نبوی میں ہوا تھا وہ بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زیر بحث آیت کریمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات دنیویہ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس کا حکم تا قیامت باقی ہے اور حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اور مذہب بھی یہی ہے۔ اس واقعے کو حضرت امام علامہ فقیہ محدث ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ بن نعمان مزالی مراقشی نے اپنی کتاب ''**مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام علیه الصلاة والسلام فی الیقظة والمنام**'' صفحہ ۲۵ پر تحریر کیا ہے۔

خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور نے امام دارالہجرۃ حضرت انس بن مالک سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا تو امام مالک نے خلیفہ سے کہا اے خلیفۂ وقت! آپ مسجد میں بآواز بلند گفتگو نہ کریں اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ''**یا ایها الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون**'' (سورۃ الحجرات آیت ۲) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی ایک جماعت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: **ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ لهم مغفرة واجر عظیم** ''(سورہ الحجرات آیت ۳) ترجمہ: بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے اور کچھ لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''**ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لایعقلون** ''(سورۃ الحجرات آیت ۴) ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اے خلیفۂ وقت! ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وعزت اور توقیر وتعظیم بعد از وصال ظاہری ایسے ہی لازم وضروری ہے جیسے آپ کی حیات دنیویہ میں تھی۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام مالک کی اس گفتگو کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا اور عرض کرنے لگا اے امام مالک! یہ ارشاد فرمائیے کہ میں جب دعا مانگوں تو چہرہ کس طرف کروں؟ روضۂ اقدس کی طرف یا کعبہ کی طرف۔ امام مالک نے فرمایا آپ اپنا رخ اس ذات اقدس کی طرف سے کیوں موڑتے ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے اور آپ کے جد امجد سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں؟ اس لیے آپ بوقت دعا اپنا چہرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کریں اور کعبہ کی طرف پشت کریں۔ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کے حق میں قبول فرمائے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے ''**ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما**'' (سورۃ النساء آیت ۶۴)

اس واقعے کو حضرت امام قاضی عیاض مالکی اندلسی نے اپنی کتاب ''**الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ** ۲/۴۱'' میں، امام قسطلانی نے ''**مواهب لدنیه** '' میں، امام ابوالیمن ابن عساکر نے ''**اتحاف الزائر** ص:۱۵۳'' میں، امام عز بن جماعہ نے **هدایة السالك** ۳/۱۳۸۱ میں نقل کیا۔

امام زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں اس واقعے کا انکار کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا ''یہ عجیب سینہ زوری ہے کیونکہ اس واقعے کی روایت امام ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب ''فضائل مالک'' میں سند حسن سے کی ہے۔ امام قاضی عیاض مالکی نے ''کتاب الشفا'' میں اپنی سند کے ساتھ متعدد ثقہ رواۃ اور معتبر مشائخ سے اس روایت کی تخریج

کی ہے تو یہ کہاں سے جھوٹ ہوگیا؟ حالانکہ اس کی سند میں کوئی راوی ''وضاع'' یا ''کذاب'' نہیں ہے۔ انتھیٰ **کلام الامام الزرقانی.**

امام عز الدین بن جماعۃ اپنی کتاب ہدایۃ السالک ۳/۲۳ میں فرماتے ہیں ''اسی طرح اس واقعے کو دو حافظوں نے روایت کیا۔ امام ابن بشکوال نے **القربۃ الیٰ رب العالمین بالصلوۃ علیٰ سید المرسلین** میں اور امام قاضی عیاض مالکی نے **کتاب الشفا** میں۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس شخص کی بات قابل توجہ نہیں جس نے خواہش نفس کی اتباع میں یہ قول کیا کہ امام مالک کا یہ واقعہ ''موضوع'' ہے اس کی خواہش نفس نے اسے ہلاک کر دیا۔ **انتھیٰ کلام الامام عز بن جماعۃ**

امام خفاجی **نسیم الریاض شرح الشفا** ۳/۳۹۸ میں فرماتے ہیں: امام قاضی عیاض مالکی کی بھلائی کے لیے ہے انہوں نے اس واقعہ کو ''سند صحیح'' سے بیان کیا ہے کہ میں نے یہ واقعہ اپنے متعدد اساتذہ سے سنا ہے۔ **انتھیٰ کلام الامام خفاجی**

زیر بحث مسئلہ میں دیوبندی مسلک کا نظریہ اور موقف واضح کر دینا مناسب ہے۔ اس سلسلے میں ممتاز دیوبندی پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا نظریہ یہ ہے کہ ''مواہب لدنیہ میں بہ سند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ''**ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ تواباً رحیماً**'' اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہوگیا۔ (نشر الطیب فی مولد سید الحبیب، ص: ۲۵۴)

مولانا قاسم نانوتوی دیوبندی بانیِ دار العلوم دیوبند اس آیت کریمہ کے بعد لکھتے ہیں: ''کیوں کہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیوں کر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں'' (آب حیات، ص: ۴۰)

مفتی محمد شفیع دیوبندی پاکستانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یہ آیت اگر چہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہوجائے گی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی کے حکم میں ہے''۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔ (تفسیر معارف القرآن، جلد دوم، ص: ۴۶۰۔ ۴۵۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی)

معروف دیوبندی عالم مولانا محمد سرفراز گکھڑوی پاکستانی لکھتے ہیں: ''عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علمائے کرام نے قدیماً وحدیثاً اس کو نقل کیا ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی امام عتبی کا واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں ''پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے'' (اعلاء السنن، ج ۱۰/ ص ۲۳۰)

ان اکابرین امت، علمائے کرام، محدثین عظام اور ائمہ اعلام کے بیان سے معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر شفاعت ومغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے۔ امت مسلمہ کے تمام علما وائمہ کا یہی موقف ہے اور یہی اعتقاد ہے اور عملی طور سے بھی ثابت ہے بلکہ امام تقی الدین سبکی شفاء السقام میں رقم طراز ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے اور امام عتبی کا واقعہ خیر القرون میں ہوا مگر کسی سے انکار ثابت نہیں جو اس کے صحیح ہونے پر ایک واضح دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو روضۂ اقدس کی زیارت نصیب فرمائے اور آپ کی شفاعت ان تمام مومنین کو نصیب فرمائے جو اس آیت کریمہ کو تا قیامت حق وثابت مانتے ہیں۔ **آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم.**

﴿.....﴾

خواتین اسلام اوران کی
اشک ریزیاں وشب خیزیاں

(دوسری اور آخری قسط)

از: ام رفقہ جویریہ قادری

حضرت خنسا بنت خدام: یہ عرب کی ایک حسین وجمیل عورت تھیں جن کی لالہ رخی اور ماہ جبینی اپنی مثال آپ تھی لیکن جب ان پر عشق الٰہی کا پرتو پڑا تو پھران کے رت جگوں اور عبادتوں کا یہ عالم ہوگیا کہ انھوں نے مسلسل چالیس سال تک روزے رکھے جس کے باعث ان کی جلد ہڈیوں سے چپک گئی۔ خشیت مولا میں اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں اوراپنے پروردگار کو منانے کے لیے انھوں نے اتنا لمبا لمبا قیام کیا کہ آخر کار ان کے قدم کھڑے ہونے کے لائق نہ رہے۔

جب رات کی سیاہی چھاجاتی، دنیا نیند کی آغوش میں چلی جاتی اور لوگوں کی حرکات وسکنات بند ہوجاتیں تو وہ اپنی حزن آگیں آوازوں میں چیخ کر کہتیں: اے اہل اطاعت کے محبوب! طاعت گزاروں کے چہرے کب تک خاک کے ذروں پر الٹتے پلٹتے رہیں گے اپنا وعدہ پورا فرما اوران کے اس مقصد ومراد کو پورا فرما جس کے لیے انھوں نے خود کو تھکا تھکا دیا ہے۔ پھر بے اختیار ہوکر زاروقطار اس قدر روتیں کہ ان کے پڑوس کے درودیوار تک رونے کی آواز پہنچ جاتی۔

حضرت طاؤس یمانی اور وہب بن منبہ جیسے جلیل القدر ائمہ اسلام کی نگاہوں میں خنساء بنت خدام کی شب خیزیوں اوراشک ریزیوں کی بڑی قدر تھی۔(۱)

ریحانۂ مجنونہ: حضرت ابوالربیع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں، محمد بن منکدر اور ثابت بنانی ایک شب' ریحانہ مجنونہ کے پاس گئے تو ہم نے دیکھا کہ ابتدائے شب میں کھڑی ہوئیں اور مسرت وشادمانی کے انداز میں یہ شعر پڑھا :

قام المحب إلى المؤمل قومةً
كاد الفؤاد من السرور يطير

یعنی محبّ اپنے مرجع امید کے آگے اس طرح کھڑا ہے کہ اس کا دل خوشی سے اُڑتا جارہا ہے۔

آدھی رات ہوئی تو ان کی زبان پر یہ اشعار تھے :

لا تأنسن بمن توحشك نظرتُه
فتمنعن من التذكار في الظلم
واجهد وكدَّ وكن في الليل ذا شجن
ليسقيك كأس وداد العز و الكرم

یعنی اس سے اُلفت نہ رکھ جس کے نظر اُٹھانے سے تجھے وحشت ہوجائے کیوں کہ یہ شے اندھیروں میں تجھے ذکر سے روک دے گی، اور راہِ حق میں محنت ومشقت کر، اور رات کو غمزدہ رہ، اس کے عوض اللہ تعالیٰ تجھے اپنی دوستی اور بخشش کے جام سے نوازے گا۔

اور جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حسرت ویاس سے آہ بھرنے لگیں اور نالہ کرنے لگیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا:

ذهب الظلام بأنسه و بالفه
ليت الظلام بأنسه يتجدد

یعنی رات اپنی تاریکی کے ہمراہ اپنے انس اور محبت کو بھی لے گئی۔ کاش! یہ تاریکی اسی انس کے ساتھ بار بار آتی۔(۲)

حضرت منیفه بنت ابو طارق: حضرت منیفہ کا شمار حبرین کی مشہور عابدات میں ہوتا تھا، جب رات کی تاریکی چھاتی تو آپ اپنے نفس کو مبارک باد پیش کرتی ہوئی کہتیں کہ اے نفس! رات آگئی جس میں مومن کی آنکھوں کی ڈھنڈک اور دل کا سرور رکھا گیا ہے، پھر آپ عبادت وریاضت میں مشغول ہوجاتیں....۔ آپ فرماتیں کہ قسم بخدا! جب تک میں اس دنیا میں زندہ ہوں کبھی بھی رات کی تاریکیوں میں نہیں سوؤں گی، بلکہ پوری رات اپنے مولا کے ذکر سے روشن رکھوں گی۔

حضرت عامر بن ملیک بحرانی ایک کنیز سے حکایۃً نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک رات منیفہ بنت ابوطارق کے یہاں شب باش

ہوئی، تو اس نے دیکھا کہ قیام لیل میں انھوں نے اس آیت کی تکرار کرتے کرتے صبح کر دی :

وَ كَيفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنتُمْ تُتْلٰى عَلَيكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ وَ فِيكُمْ رَسُولُهُ، وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (سورۂ آل عمران:۳/۱۰۱)

اورتم (اب) کس طرح کفر کروگے حالاں کہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں، اور جو شخص اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔(۳)

حبیبہ عدویہ: حضرت حبیبہ عدویہ اپنے وقت کی عظیم عابدہ ومجاہدہ ہوئی ہیں۔ان کے حوالے سے آتا ہے کہ جب وہ عشا کی نماز پڑھ لیتیں تو اپنے مکان کی چھت پر چڑھ جایا کرتیں اور اپنے جسم کے اِردگرد کرتا اور دوپٹہ کس کر کہتی تھیں: اے اللہ! ستارے نکل آئے ہیں، آنکھیں نیند سے بوجھل ہوگئی ہیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کرلیے ہیں، عاشق اپنے معشوق کے ساتھ خلوت میں چلے گئے، اور میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگئی ہوں۔ پھر وہ اپنی نماز میں مشغول ہوجاتیں۔ جب فجر کا وقت ہوجاتا تو کہتیں: اے اللہ! یہ رات رخصت ہوگئی ہے اور دن نکل آیا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میری یہ رات تو نے قبول کی ہے یا نہیں؟ اگر قبول کرلی ہے تو میں اپنے آپ کو مبارک باد پیش کروں ورنہ اس کی تعزیت کروں۔ تیری عزت کی قسم! یہ میرا معمول رہے گا جب تک تو مجھے زندہ رکھے گا۔ اگر تو نے مجھے اپنے در سے جھڑک دیا تب بھی میں کبھی تیرا در نہ چھوڑوں گی؛ اس لیے کہ میرا دل تیرے جودوکرم کے اَنوار سے روشن ہے۔(۴)

حضرت عمرہ: مشہورِ زمانہ بزرگ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجۂ محترمہ حضرت عمرہ بھی اپنے وقت کی بڑی عابدہ وزاہدہ ہوئی ہیں۔ایک رات وہ نمازوں میں مشغول تھیں اور ان کے شوہر ابھی تک سورہے تھے۔ وقتِ سحر قریب آگیا اور وہ یوں ہی سوئے رہے۔تو حضرت عمرہ نے انھیں بیدار کر کے کہا: شوہر نامدار! اب تو اُٹھیے، دیکھئے کاروانِ شب کوچ کر چکا ہے، سپیدۂ سحر نمودار ہونے کو ہے، آپ کے سامنے ایک لمبا سفر ہے، اور زادِراہ کچھ بھی نہیں۔ صالحین کے قافلے ہمارے سامنے رخصت ہوگئے اور ہم یہیں کے یہیں پڑے رہ گئے۔(۵)

اللہ اکبر! یہ بات کس قدر پاکیزہ اور عمدہ ہے! اور وہ گھر کس قدر باسعادت اور خوش نصیب ہے جس میں ایسی بات کہی اور سنی جائے۔اور اس بات کو کہنے والی خاتون کس قدر شان وعظمت والی ہے!۔اللہ ہمارے گھروں میں بھی ایسی باتیں جاری فرمائے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت کے لیے بطورِ خاص دعا کی ہے جو رات کو اُٹھ کر عبادت کرتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی اسی غرض سے بیدار کرنے کوشش کرتی ہے۔

حضرت عجردہ عمیہ: آپ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رات بھر عبادت کرتی تھیں حالاں کہ آنکھوں سے معذور تھیں مگر جب سحر کا وقت ہوتا تو اونچی اور غمگین آواز میں کہتیں: عابدوں نے تجھ تک پہنچنے ہی کے لیے رات کی مسافت طے کی ہے۔ وہ تیری رحمت اور فضل ومغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔اے اللہ! میں تجھی سے مانگتی ہوں، تیرے غیر سے نہیں مانگتی کہ مجھے سبقت کرنے والوں میں سرفہرست کر اور مجھے علیین میں مقربین کا درجہ عطا کر اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر، تو انتہائی رحم اور کرم والا ہے، تو تمام بڑوں سے بڑا اور تمام بلندیوں سے بلند ہے۔ یہ دعا مانگ کر وہ سجدے میں گر جاتیں یہاں تک کہ ان کے سجدے میں گرنے کی آواز آس پاس میں سنی جاتی، پھر وہ سجدے ہی میں صبح کی نماز تک دعائیں مانگتی رہتیں اور روتی رہتیں۔(۶)

حضرت بریرہ: حضرت ابن العلاء السعدی کہتے ہیں کہ میری چچازاد بہن ''بریرہ'' بڑی عبادت گزار ونہایت پرہیزگار خاتون تھیں۔ وہ کثرت سے تلاوت کلام اللہ کیا کرتی تھیں اور تلاوت کے دوران مسلسل روتی رہتیں۔ زیادہ رونے کے باعث ان کی آنکھیں بھی بیکار ہوگئی تھیں۔

ایک مرتبہ ہم سب چچازاد بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ بریرہ کے پاس جائیں گے اور اس قدر رونے پر انھیں ملامت کریں گے؛ چنانچہ ہم سب ان کے یہاں پہنچے اور ان کی خیروعافیت دریافت کی۔انھوں نے کہا: ہم اجنبی مہمان زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ کوئی

ہمیں بلائے اور ہم جائیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ اس طرح کب تک روتی رہیں گی، اب تو آنکھیں بھی چلی گئیں۔ انھوں نے کہا: اگر اللہ کے یہاں میری آنکھوں کے لیے کچھ بہتری ہے تو مجھے ان کے ضائع ہوجانے پر کوئی ملال نہیں ہے اور اگر اللہ کے یہاں ان کی کچھ برائی ہے تو پھر انھیں اور رونا چاہیے۔ ان کی یہ عارفانہ بات سن کر ہم میں سے کسی شخص نے کہا کہ یہاں سے چلو، ان کا حال دوسرا ہے، ان کا حال ہمارے جیسا نہیں۔ (۷)

حضرت رحلہ : حضرت خواص فرماتے ہیں کہ ہم مشہور عابدہ ''رحلہ'' کے یہاں گئے۔ انھوں نے اتنے روزے رکھے تھے کہ ان کی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی، اس قدر آنسو بہائے تھے کہ آنکھوں سے محروم ہوگئی تھیں اور اس قدر نمازیں پڑھی تھیں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی تھیں۔ جس وقت ہم لوگ ان کے پاس پہنچے وہ بیٹھی ہوئی نمازیں پڑھ رہی تھیں۔

ہم نے انھیں سلام کیا اور اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم اور فضل و احسان پر کچھ گفتگو کی تاکہ وہ اپنے نفس پر قدرے نرمی کریں۔ ہماری بات سن کر انھوں نے ایک چیخ ماری اور کہنے لگیں کہ میں اپنے نفس سے زیادہ واقف ہوں؛ اس لیے میرا دل زخمی ہے اور کلیجہ چھلنی ہے۔ سوچتی ہوں کاش! اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا اور میں کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ ہوتی۔ یہ کہہ کر وہ پھر نماز میں مشغول ہوگئیں۔ (۸)

منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے زمانے میں ایک عورت کی عبادت و ریاضت اور اس کی گریہ وزاری کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت بایزید ایک مرتبہ اس کی ملاقات کے لیے گئے اور اس سے کمالِ شفقت سے فرمایا کہ اے نیک بخت! بہت نہ رویا کر کیوں کہ زیادہ رونا بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔ یہ سن کر اس نیک خاتون نے بے ساختہ جواب دیا: اے شیخ! جن آنکھوں کو قیامت کے دن دیدارِ الٰہی کی دولت نصیب ہونے والی ہے انھیں دنیا میں اندھی ہوجانے کا کوئی غم نہیں اور جو آنکھیں اس نعمت سے محروم رہیں وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ اندھی ہی ہوجائیں۔ (۹)

حضرت عبداللہ بن الحسن کہتے ہیں کہ میری ایک رومی باندی تھی اور میں اسے بہت چاہا کرتا تھا۔ ایک شب وہ میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی، میری آنکھ لگ گئی، رات کے کسی پہر آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بستر پر نہیں ہے۔ میں اسے تلاش کرنے کے لیے بستر سے اُٹھا، میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑی زار و قطار رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! اس محبت کی وجہ سے جو تجھے میرے ساتھ ہے میری مغفرت فرما۔ میں نے کہا: یوں مت کہہ کہ جو محبت تجھے میرے ساتھ ہے بلکہ یوں کہہ کہ جو محبت مجھے تیرے ساتھ ہے۔ وہ کہنے لگی اے میرے آقا! اسی محبت کی وجہ سے اس نے مجھے شرک سے نکال کر اسلام تک پہنچایا اور اسی محبت کی وجہ سے اس نے میری آنکھ کو جاگنے کی قوت بخشی جب کہ اس کی مخلوق خوابِ راحت میں مست ہوتی ہے۔ (۱۰)

حضرت محمد بن قدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو بشر کو کہتے سنا کہ حضرت منصور بن معتمر کی ایک ہمسایہ تھی، جس کے پاس دو نیک بچیاں تھیں جو صرف رات گئے اس وقت چھت پر چڑھتیں جب لوگ سو چکے ہوتے۔ ان میں سے ایک نے ایک دن اپنی ماں سے پوچھا: امی جان! فلاں چھت کے اوپر جو ستون کھڑا رہتا تھا، وہ اب کہاں چلا گیا، کئی دنوں سے نظر نہیں آیا۔ ماں نے کہا: بیٹی! وہ کوئی ستون نہیں تھا بلکہ وہ وقت کے عظیم بزرگ حضرت منصور بن معتمر تھے جو پوری رات بیدار رہتے اور ابھی ایک رکعت بھی نہ پوری کر پاتے کہ شب کا سفر ختم ہوجاتا۔

بیٹی نے تعجب سے کہا: امی جان! کیا وہ عبادت و بندگی کی اس منزل پر فائز تھے!، یقیناً محض ایسی جی توڑ عبادتیں ہی آتش جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ خیر! تو ان کا کیا بنا جو کئی دنوں سے نظر نہیں آئے؟۔ فرمایا: وہ انتقال کر گئے.....

یہ سن کر بیٹی نے کہا کہ امی جان! میرے لیے ایک چھوٹا سا گھروندا بنا دیجیے جہاں میں عبادت و ریاضت کرسکوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے بالوں کا ایک گھروندا بنا دیا۔ دیکھا دیکھی اس کی دوسری بہن بھی اس میں اُتر گئی، اور دونوں نے بیس سال تک مسلسل اللہ کی عبادت و بندگی میں گزار دی، حال یہ تھا کہ دونوں رات بھر جاگتیں اور دن میں روزے رکھتیں۔ (۱۱)

ایک مردِ صالح کے ہمسایوں میں ایک ضعیفہ خاتون تھیں جو کبیر

السن ہونے اور ضعف وناتوانی کے باوجود مجاہدہ وریاضت میں بے حد سعی کیا کرتی تھیں، اوران کی راتیں آباد رہا کرتی تھیں۔ اس مردِ صالح کو اس کی حالت پر ترس آیا۔ اس نے ایک روز کہا: آپ کو اس قدر محنت ومشقت نہیں کرنی چاہیے۔ کچھ اپنے جسم اور اعضا کو بھی آرام دیجیے، اس باخدا ضعیفہ نے جواب دیا :

اگر میں اپنی جان کو آرام دینے لگوں تو مالک حقیقی کے دروازے سے علاحدہ اور دور ہوجاؤں گی اور جو دنیوی مشاغل کے باعث اس سے دور ہوا، اس نے خود کو عظیم آزمائش میں ڈالا اور سعی وکوشش کے ساتھ عمل کروں تو بھی میرے عمل کی حیثیت کتنی؟، اگر اس میں بھی کوتاہی کرنے لگوں پھر باقی کیا بچے گا!۔ حسرت وغم ان کو جو آگے بڑھیں، فراق ان کا جو محبوب سے دور رہیں۔ آگے بڑھنے والوں کی حسرت یہ کہ محشر کے لیے جب مردے قبروں سے اُٹھیں، صالحین نور کے براق پر سوار جنت کو جائیں اور انھیں دوستوں کے رتبے ملیں، حور وغلمان ان کی خدمت کو دست بستہ ایستادہ ہوں اور پیچھے والے کف افسوس ملتے رہ جائیں۔ اس وقت حسرت وغم سے اُن کے دل پارہ پارہ ہوکر بہہ جائیں گے۔

لوگ جب میدانِ قیامت میں الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کیے جائیں گے تو رب ذوالجلال سب کو یکجا فرمائے گا، ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا : اے گنہ گارو! آج تم الگ ہوجاؤ۔ اوراللہ کے پرہیزگار بندے بامراد ہوئے۔ اس روز شوہر اپنی بیوی سے، بیٹا ماں باپ سے، اور دوست دوست سے الگ ہوجائے گا۔ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو عزت وتکریم سے بہشت بریں میں لے جایا جائے گا، اور کوئی پابجولاں گھسیٹ کر آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ جدا جدا راستے اور منزلیں ہوں گی۔ آنکھوں سے اشکوں کے سمندر رواں ہوں گے۔ جدائی وفراق کے عالم میں ایک دوسرے کو حسرت سے تکیں گے۔ ذرا اُن مناظر کو سوچو تو سہی تمہاری نیندیں نہ اُڑ جائیں تو کہنا اور جبینیں مولا کے حضور نہ جھک جائیں تو کہنا....۔(۱۲)

عارفہ کنیز: حضرت حسن بن صالح علیہ الرحمہ کے پاس ایک لونڈی تھی انھوں نے اسے کسی کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ جب آدھی رات ہوئی تو وہ لونڈی اُٹھی اور اس نے کہا: گھر والو! اُٹھو اور نماز پڑھو۔ انھوں نے پوچھا: صبح ہوگئی ہے جو نماز پڑھیں!۔ لونڈی نے کہا: تم فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتے؟۔ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس کے بعد وہ لونڈی حضرت حسن بن صالح کے پاس بھاگ آئی اور کہا: آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے جو شب بیداری اور دولت تہجد سے عاری ہیں؛ لہٰذا مجھے واپس لے لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دام لوٹا دیے۔

حضرت شعوانه: حضرت معاذ بن فضل فرماتے ہیں کہ شعوانہ اس قدر رویا کرتی تھیں کہ ہمیں ان کے اندھے ہوجانے کا خوف لاحق ہوگیا۔ ہم نے جب اس سلسلہ میں ان سے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی عزت کی قسم! اللہ کی خشیت میں رورو کر دنیا کے اندر اندھا ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں جہنم کی آگ اندھا کرے۔(۱۳)

حضرت یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا اور دیکھتا تھا کہ وہ کس قدر رویا کرتی ہیں اور کس شدت سے گریہ وزاری کیا کرتی ہیں۔ ایک دن میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی دن تنہائی میں ملاقات کرکے ہم ان سے کہیں گے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ تھوڑی نرمی کا معاملہ کریں۔ ساتھی نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا؛ چنانچہ ایک موقع تلاش کرکے ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا اچھا ہوا گر آپ نفس کے ساتھ کچھ نرمی برتیں اور اس کثرتِ گریہ وبکا میں کچھ کمی کریں، جو آپ چاہتی ہیں اس نرمی سے اس پر بڑی مدد ملے گی۔

یہ بات سن کر وہ روتے ہوئے کہنے لگیں: بخدا میں اس قدر رونا چاہتی ہوں کہ میرے آنسو خشک ہوجائیں۔ پھر خون کے آنسو رووں؛ یہاں تک کہ میرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ جائے لیکن میں کہاں روتی ہوں، مجھے رونا کب نصیب ہوتا ہے؟ یہ جملے انھوں نے کئی مرتبہ کہے اور وہیں بے ہوش ہوگئیں۔(۱۴)

حضرت مالک بن ضیغم فرماتے ہیں کہ اہل اُبلہ کا ایک شخص اکثر میرے والد کے پاس آیا کرتا، اور شعوانہ کی گریہ وبکا کی داستان بیان کیا کرتا تھا، تو ایک دن میرے والد نے اس سے فرمایا: آج ذرا مجھ سے اس کے رونے کی کیفیت بیان کرو۔ کہا: قسم بخدا! وہ صبح وشام روتی ہی رہتی ہے، رونے دھونے کے علاوہ اس کا کوئی کام ہی نہیں۔

والد نے کہا: میری مراد یہ نہیں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے رونے کی ابتدا کیوں کر ہوتی ہے؟ کہا: اے مالک! جیسے ہی وہ ذکر مولا سنتی ہے زار و قطار رونے لگتی ہے، اس کی آنکھیں سیلاب بن جاتی ہیں، اور اس کی پلکوں سے آنسو کے قطرے خشیت مولا کے موتی بن کر ٹپکنے لگتے ہیں.....۔

یہ سن کر میرے والد بھی رونے لگے اور فرمایا: یقیناً خوف کی چنگاری نے اس کے دل کے چاروں کونے جلا ڈالے ہیں۔ مزید فرمایا: آنسوؤں کی کمی بیشی دل کی جلن پر موقوف ہوتی ہے، جتنا دل جلتا ہے اُتنا آنسو بہتا ہے، حتیٰ کہ جب پورا دل سلگ اُٹھتا ہے تو اس سے حزن و اُداسی جنم لیتی ہے اور یہ حزن اسے سدا رونے پر انگیخت کرتا رہتا ہے، اور جب کسی کا یہ حال ہو جائے تو ایک ذرا سا ذکر بھی اسے پرغم بنا کر آمادۂ گریہ و بکا کر دیتا ہے۔(۱۵)

شعوانہ اپنی دعا میں یوں کہا کرتی تھیں : اے اللہ! مجھے تیری ملاقات کا کتنا شوق ہے اور تیری جزا پانے کی کس قدر اُمید ہے۔ تیری ذاتِ کریم سے امید کرنے والوں کی امیدیں مایوسی سے نہیں بدلتیں اور نہ مشتاقین کا شوق ضائع جاتا ہے۔ اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آچکا ہے اور میرے کسی عمل نے مجھے تجھ سے قریب نہ کیا ہو تو میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی ہوں۔ اگر تو مجھے معاف کر دے گا تو اس سلسلہ میں تجھ سے بہتر کون ہے۔ اور اگر مجھے عذاب دے گا تو تجھ سے زیادہ عادل کون ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس کے لیے نظر کی جسارت کی، اب تیرے حسن نظر کی اُمید ہے۔ اگر تو نے مجھ پر نظر کرم نہیں فرمائی تو یہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اے اللہ! تو نے تمام زندگی مجھ پر احسانات فرمائے ہیں، مرنے کے بعد بھی مجھ سے اپنے احسانات کا سلسلہ منقطع نہ کرنا۔ جس ذات نے زندگی میں مجھے اپنے کرم و احسان کا مستحق سمجھا ہے اسی ذات سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ موت کے بعد بھی مجھ پر بخشش کا دروازہ کھولے رکھے گی۔ اے اللہ! جب تو زندگی میں میرا ذمہ دار رہا تو مرنے کے بعد میں تیری نظر کرم سے کیسے مایوس ہوں!۔ اے اللہ! ایک طرف مجھے میرے گناہ ڈراتے ہیں دوسری طرف جو محبت تجھ سے ہے اس سے دل مطمئن ہوتا ہے۔ میرے معاملے میں اپنی شان کے مطابق نظر فرما اور اس شخص کو بھی اپنے فضل و احسان سے محروم نہ کر جو جہالت کے نشے میں مدہوش ہے۔ اے اللہ! اگر تو میری رسوائی چاہتا تو مجھے ہدایت کیوں دیتا!، اور میری ذلت چاہتا تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی کیوں فرماتا؟۔ اے اللہ! جس سبب سے تو نے مجھے ہدایت دی ہے اسے قائم رکھ اور جس سبب سے تو میری پردہ پوشی کرتا ہے اسے دائم رکھ۔ اے اللہ! میں نہیں سمجھتی کہ جس مقصد کے لیے میں نے عمر لگائی ہے اسے تو نامنظور کر دے گا۔ اگر میں نے گناہ نہ کیے ہوتے تو مجھے تیرے عذاب کا خوف نہ ہوتا اور اگر مجھے تیرے کرم کا علم نہ ہوتا تو میں تیرے اَجر و ثواب کی امیدوار نہ ہوتی۔(۱۶)

انھیں کی دعا پر میں اپنا مضمون ختم کرتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بھی ان اللہ والیوں کے نقش قدم پر چل کر شب خیزی اور اَشک ریزی کی دولت بیدار سے نوازے، نیز آئندہ نسلوں تک ہمیں یہ وراثت منتقل کرنے کا جذبہ و خروش عطا فرمائے۔ آمین۔

ماخذ و مراجع

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۲۴۶۔
(۲) روض الریاحین:۱۷ بحوالہ بزم اولیاء:۱۳۸ تا ۱۳۹۔
(۳) صفۃ الصفوۃ:۴۱۸۔
(۴) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴......صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۶۔
(۵) فتاویٰ الاسلام سوال و جواب:۱/۴۰ ۳۷۔
(۶) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی:۱/۱۱۱ حدیث:۹۰......التہجد و قیام اللیل:۱/۴۶ حدیث:۴۳......صفۃ الصفوۃ:۴/۳۱......احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔
(۷) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۵۔
(۸) نفس مصدر:۴/۴۱۵۔
(۹) مقاصد الصالحین:۲۷۔
(۱۰) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔
(۱۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۳۴۷۔
(۱۲) روض الریاحین:۱۰۵۔
(۱۳) صفۃ الصفوۃ:۴۱۳
(۱۴) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔
(۱۵) صفۃ الصفوۃ:۴۱۳۔
(۱۶) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۵۔

نوٹ : یہ مضمون دراصل میری زیر ترتیب کتاب ''خطباتِ نسواں'' کی ایک تقریر سے مستفاد ہے۔ ج. قادری۔

﴾......﴿

لاپرواہی کا نتیجہ

از: انعم انور، کراچی

شاہد ایک اچھا بچہ تھا۔ ہمیشہ کلاس میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا تھا۔ اس کا روز کا یہ معمول تھا کہ وہ ٹیوشن سے آکر کمپیوٹر پر گیمز کھیلتا۔ اس کے امتحان ہونے میں ۱۵؍دن باقی تھے۔ شاہد کے آدھے مضامین کی تیاری تو ہو چکی تھی اس لیے وہ سوچ رہا تھا کہ باقی کی تیاری ایک ہفتہ پہلے کرلوں گا۔ یہی سوچ کر وہ نئے گیمز کی سی ڈیز لے آیا۔ اس کی امی نے دیکھا کہ وہ اور سی ڈیز لے آیا ہے تو انہوں نے شاہد کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ تم اپنی تیاری کرنے کے بجائے ان گیمز میں اپنا وقت ضائع کروگے۔

شاہد بولا: ''امی آپ فکر نہ کریں میں ایک ہفتہ میں باقی تمام تیاری مکمل کرلوں گا۔''

دن گزرتے گئے اور شاہد معمول کے مطابق ویسے ہی گیمز کھیلتا رہا۔ آخر کار امتحان سے ایک ہفتے پہلے جب وہ کتابیں نکال کر بیٹھا تو اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ پہلے کس مضمون کی تیاری کرے اور کس کی بعد میں۔ انگلش کی کتاب کھولتا تو ریاضی کا خیال آتا کہ پہلے ریاضی کی تیاری کرلوں۔ ریاضی کی کتاب کھولتا تو اردو کی تیاری کا خیال آجاتا غرض کہ وہ نہایت پریشانی میں مبتلا ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اب اسے رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ اسے ایک ہفتہ تو صرف دہرانے کے لیے رکھنا چاہیے تھا۔ اب شاہد کو اپنی امی کی باتیں یاد آرہی تھیں کہ کاش وہ امی کی بات مان لیتا تو آج اسے اتنی پریشانی نہ ہوتی اور کاش میں ان باقی مضامین کی تیاری پہلے ہی کرلیتا۔ آخر کار شاہد نے باقی مضامین کی تیاری کی اور امتحان کے لیے تیار ہو گیا۔

امتحان شروع ہو چکے تھے۔ جن مضامین کی تیاری پہلے ہو چکی تھی ان کے پیپرز بہت اچھے ہوئے اور باقی کافی خراب ہوئے چونکہ باقی مضامین کی تیاری شاہد نے امتحان کے آخری ہفتے میں کی تھی لہٰذا جیسا ہلکا پھلکا یاد ہوا وہی الٹا سیدھا پیپر میں لکھ آیا تھا۔ شاہد رزلٹ آنے کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا کہ کیا ہوگا۔ آخر کار رزلٹ بھی نکل آیا اور شاہد کو بھی اس کی رپورٹ ملی۔ باقی تمام مضامین میں بہت اچھے مارکس آئے جب کہ ریاضی میں وہ فیل ہو گیا۔ شاہد رپورٹ گھر لاکر بہت رویا۔

شاہد کی امی نے جب اس کی رپورٹ دیکھی تو انہیں بھی بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے شاہد کو چپ کرواتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہیں پہلے ہی تاکید کی تھی مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ تم فارغ اوقات میں گیمز کھیلنے کے بجائے بقایا مضامین کی تیاری کرتے تو آج یوں فیل نہ ہوتے اور آگے تمہیں نویں کلاس میں سائنس بھی لینی تھی مگر اب تمہیں آرٹس ہی لینی پڑے گی چونکہ تمہارے نمبرز اتنے نہیں ہیں کہ تم سائنس لے سکو۔ شاہد اپنی امی کے گلے لگ گیا اور روتے ہوئے کہنے لگا ''امی آپ کا کہا نہ ماننے کی سزا مجھے مل گئی۔ آج میں بہت پچھتا رہا ہوں۔ کاش میں آپ کی بات مانتا تو آج یوں اتنا پچھتاوا نہ ہوتا''۔ شاہد کی امی نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

پیارے بچو! اس کہانی سے ہمیں کئی نصیحتیں ملتی ہیں ایک تو یہ کہ ہمیں اپنا وقت کھیل کود میں ضائع نہیں کرنا چاہیے اس سے ہمارے مستقبل پر بہت خراب اثر پڑتا ہے۔ اپنی امی جان کی بات پر عمل کرنا چاہیے ورنہ نتیجہ بہت برا ہو سکتا ہے اور وقت ضائع کرنے سے ہمارا مستقبل تباہ ہو سکتا ہے۔

ماں کی قدر کرنا سیکھو

پیارے بچو! ہم نے ایک بچے سے پوچھا بتایئے آپ اپنی ماں سے کتنا پیار کرتے ہیں تو اس نے اپنے دونوں ننھے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا اتنا۔ آپ کچھ بڑے سے پوچھیں گے تو وہ اپنے ہاتھ پھیلائے گا اور کہے گا اتنا۔ مطلب یہ کہ ماں کے پیار کی کوئی حد نہیں۔ جی ہاں ماں وہ ہستی ہے جو ہر مصیبت، ہر تکلیف، ہر پریشانی خود پر لے گی۔ اولاد پر کبھی آنچ نہ آنے دے گی۔ وہ خود بھوکی رہے گی لیکن اولاد کو بھوکا نہیں دیکھ سکے گی۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ: ''ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے''۔

ماں کی خدمت کرنا، اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دینا اور اس کی خواہش کو پورا کرنا ہی اولاد کا سب سے پہلا فرض ہے۔ بدنصیب وہ لوگ ہوتے ہیں جو ماں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ان کی اپنی زندگی ہے لیکن یہ زندگی ملی کس سے۔ کس نے انہیں پال پوس کر بڑا کیا؟ کس نے اپنا چین سکون کھو کر انہیں اس قابل بنایا؟ کس نے انہیں سر اٹھا کر جینا سکھایا؟ ماں ہی وہ شخصیت ہے جو کہ ہر طرح سے اولاد کے لیے سوچتی ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں بچے کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتا ہے۔

از: طوبیٰ صادق، ناگپاڑہ، ممبئی

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

☆ ماں باپ کا بڑا ادب کرنا چاہیے ان کی ہر جائز بات ماننا چاہیے۔
☆ دینی استاذ کا احترام بہت زیادہ کرنا چاہیے۔
☆ قرآن شریف کا بہت ادب اور احترام کرنا چاہیے۔ قرآن مقدس بے وضو چھونا حرام ہے۔ یوں ہی دینی کتابوں کی عزت کرنا بھی بہت ضروری ہے۔
☆ قبلہ کا بڑا احترام کرنا چاہیے۔ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا سونا منع ہے اس سے معاذ اللہ ایمان جانے کا خطرہ ہے۔
☆ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت ومحبت ساری دنیا اور سارے لوگوں سے بہت زیادہ کرنا چاہیے۔ جب ان کا پیارا نام سنو تو درود شریف یعنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا کرو۔
☆ جب اذان ہو تو خوب غور سے اذان سننا چاہیے اور اس کا جواب دینا چاہئے۔ اس وقت باتیں کرنا منع ہے۔
☆ وضو کرتے وقت خاموش رہو یا دعا پڑھو، اذان کے وقت لوگوں سے باتیں نہیں کرنا چاہیے۔
☆ حلال پاکیزہ کھانا کھانا چاہیے۔ حرام کھانا ہرگز نہ کھایئے۔
☆ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہیے۔
☆ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھنا چاہیے۔
☆ ہر بری چیز اور بری بات سے بچنا چاہئے۔
☆ ناچنا، گندے گانے گانا اور سننا اور جاندار کی تصویر بنانا گناہ ہے۔
☆ جھوٹ، چغلی، غیبت اور بری باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے بلکہ اگر کوئی تمہارے سامنے کسی کی برائی کرے تو یا تو وہاں سے ہٹ جاؤ یا اسے خاموش کرادو۔
☆ ہمیشہ اپنے بدن، کپڑے اور مکان وغیرہ کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔
☆ علم دین سیکھنے اور سکھانے سے بڑھ کر اچھا کوئی کام نہیں۔
☆ سب لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔
☆ اپنے ماں باپ کا نام لے کر نہیں بلانا چاہیے۔
☆ مجلسوں میں بڑوں کے سامنے پاؤں پھیلا کر بیٹھنا بدتہذیبی ہے۔
☆ بڑے بوڑھے (بزرگوں) کا ادب کرنا چاہئے۔ اگر وہ نیچے بیٹھے ہوں تو ان کے سامنے کرسی پر بیٹھنا بے ادبی ہے۔

مرسلہ : عظمیٰ ماجد، سیکٹر ۵۵، نوئیڈا، یوپی۔

دین اور دنیا الگ الگ نہیں

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیاوی کاموں میں بہت بھاگ دوڑ کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا ''آپ کو دنیاوی کاموں سے اتنی رغبت کیوں ہے؟''

انہوں نے جواب دیا کہ ''پہلے مجھے بتاؤ کہ آخرت اللہ کی اطاعت اور بندگی سے حاصل ہوسکتی ہے یا گناہوں سے؟''۔ اس نے کہا اللہ کی اطاعت اور بندگی سے۔

حضرت رازی نے پھر سوال کیا ''اب بتاؤ اطاعت اور بندگی زندگی میں ممکن ہے یا موت کے بعد؟'' اس نے جواب دیا کہ اطاعت اور بندگی تو زندگی ہی میں ممکن ہے۔ حضرت رازی نے پھر پوچھا کہ اب بتاؤ زندگی قوت سے حاصل ہوتی ہے یا بغیر قوت کے؟ اس نے کہا کہ قوت سے۔

حضرت رازی نے پھر دریافت کیا ''قوت دنیا میں حاصل کی جاسکتی ہے یا آخرت میں؟'' اس شخص نے جواب دیا ''دنیا میں۔ حضرت رازی نے یہ سن کر کہا کہ پھر میں دنیا کے کاموں میں بھاگ دوڑ کر کے قوت کیوں نہ حاصل کروں؟ اس کے بعد فرمایا کہ دنیا ہی میں مجھے قوت مل سکتی ہے۔ یہیں میں اللہ کی اطاعت اور بندگی کا فرض ادا کرتا ہوں۔ اس کے بغیر میں آخرت کیسے حاصل کرسکتا ہوں تو وہ شخص حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سن کر دم بخود رہ گیا۔

پیارے بچو! حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتوں میں بہت غور کرو تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے یعنی کام کرنے، محنت کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کے لیے ہے۔ حضرت کی باتوں میں ایک اہم بات اور بھی پوشیدہ ہے کہ دنیا کا کام اگر دین کا کام سمجھ کر کیا جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور اس کا صلہ دنیا میں تو ملے گا ہی آخرت میں بھی اللہ عزوجل ہمیں خوب خوب نوازے گا۔ لہٰذا پیارے بچو! آپ دنیا کا کام بھی اسلام کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں کرو تو وہ یقیناً دین کا کام بن جائے گا اور اس عمل سے ہمیں دنیا وآخرت دونوں جگہ صلہ ملے گا۔

مرسلہ : انور قمر، کلیان، مہاراشٹر

عزیز نونہالو! یہ کالم صرف آپ کے لیے ہے یہ کالم آپ کو کیسا لگتا ہے، آپ ہمیں لکھ کر بھیجئے، اس کے علاوہ اپنی پسندیدہ اور سبق آموز کہانیاں نیز اچھی باتیں بھی ارسال کیجئے، ہم آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کو بھی شائع کریں گے۔ ہمیں آپ کی نگارشات کا انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

قبولیتِ اسلام کا سبب حقانیت یا فطرت

از: صادق رضا مصباحی

معاصر دنیا کے احوال کا جائزہ لیں تو اسلام کے تعلق سے ایک بڑا عجیب تضاد ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسلام اس وقت جس کشمکش کا شکار ہے اور اس کے ماننے والے جس قدر ذلت کا انبارا پنے سروں پر ڈھورہے ہیں اس وقت نہ تو وہ کسی قوم کے حصے میں ہے اور نہ کسی مذہب کے مگر حیرت یہ ہے کہ اسلام کو جتنا زیادہ مشق ستم بنایا جارہا ہے اور اسے مدفن میں کھدیڑنے کی کوشش کی جارہی ہے اتنا ہی زیادہ اس کا پھیلاؤ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور اس کی معنویت کا چاند بلند سے بلندتر ہورہا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہونا فطری ہے کہ آخر دنیا اسلام کے متعلق اس متضاد رویے کی شکار کیوں ہے؟ اس کا جواب ہم آئندہ سطور میں تحریر کریں گے۔

دنیا کو اسلام کی ضرورت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی بلکہ جوں جوں دنیا بحرانی ادوار سے گزر رہی ہے اسے اسلام کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہورہی ہے۔ جس مرض کا علاج دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہ ہو دینِ اسلام اس کے تمام امراض کا شافی علاج کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ جسم بلکہ وہ روح کے علاج کا بھی سامان فراہم کرتا ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی مذہب کا جائزہ لے لیں ان میں کہیں نہ کہیں جھول نظر آ ہی جاتی ہے۔ ان مذاہب کی تعلیمات یا تو صرف اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے تھیں یا صرف اسی زمانے میں ان پر عمل ہوسکتا تھا۔ اب وہ کرم خوردہ ہوچکی ہیں آج کے دور میں ان پر عمل آوری مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتی ہے وہ تعلیمات آج کے انسان کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتیں ان میں وہ رہنمائی موجود نہیں جو آج کے مسائل کا مطالبہ ہے لہٰذا آج کا انسان انہیں اپنانے سے قاصر ہے۔ ان مذاہب کے بانیوں کے حیات پر تاریخی نظر ڈالیں تو بھی ہمیں مایوسی ہاتھ آتی ہے۔ ان کی حیات کی ڈور اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ سرا نظر ہی نہیں آتا کہ جسے پکڑ کر وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ گوشہ بھی نہ صرف یہ کہ تاریخ کے کیمرے میں قید ہے بلکہ ان کے اصحاب، اہل خانہ، آباواجداد، ماحول اور اس زمانے کا چھوٹا سے چھوٹا پہلو بھی تاریخ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ ان کی ولادت طیبہ سے لے کر وصال مبارک تک اور اس کے بعد تک کے حالات کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی ہر زبان میں ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کے متعلقین کی پوری تاریخ اور شجرہ نہ صرف یہ کہ کتابوں میں محفوظ ہے بلکہ آج تک ہزار کوشش کے باوجود ان میں ایسی تبدیلی نہیں کی جاسکی کہ ان کا کوئی پہلو بھی تاریخ کے اندھیرے میں گم ہوجائے۔ اللہ عزوجل نے اسلام کی حفاظت کا یہ اتنا زبردست اور عظیم الشان انتظام فرمادیا کہ دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا دانشور بھی اسلام کی تاریخیت پر سوالیہ نشان نہیں لگا سکتا۔ اسلام کی یہ تاریخیت، ثقاہت واستنادیت کے اس درجے پر فائز ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا مذہب بھی اس معاملے میں اس کا پاسنگ ہونے کا دعوی بھی نہیں کرسکتا۔ یہودیت ہو یا نصرانیت، ہندوازم ہو یا بدھازم، بہائی ازم ہو یا اور کوئی ازم وہ کسی بھی اعتبار سے تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت کے سارے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ ان میں کسی ایک پہلو پر وہ اپنے مکمل ہونے کا ادعا نہیں کرسکتا۔ منطقی اور سائنسی انداز میں اگر آج کا انسان غور کرے تو اسے اسلام کے سوا ایسا کوئی راستہ نظر نہیں آئے گا جو انسانیت کو اس کے مطلوبہ ہدف تک پہنچادے۔

اسلام دینِ فطرت ہے یا یوں کہیے کہ انسانی فطرت ہی کا دوسرا نام دین اسلام ہے۔ فطرت انسانی جس چیز کا تقاضا کرتی ہے اسلام وہ اسباب مہیا کردیتا ہے اور ہر انسان کی فطری غذا فراہم کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے **کل ولد یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او یمجسانہ او ینصرانہ** یعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اس کو یہودی، مجوسی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں یہودی، مجوسی یا نصرانی کی قید احترازی نہیں، اتفاقی ہے۔ ان مذاہب

کے نام بطور مثال آئے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس میں دنیا کے دوسرے تمام مذاہب بھی شامل ہو سکتے ہیں۔حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو فطری طور پر اس کی ذہنی ونفسیاتی ساخت اور فکری تشکیل وتعمیر اسلام ہی کے تابع ہوتی ہے دنیا میں اس کا پہلا قدم اسلام کی ہی طرف اٹھتا ہے مگر اس کے والدین،اس کے اردگرد کا ماحول اس بچے کو دوسرے مذہب کی طرف موڑ دیتے ہیں۔فطرت اسلام پر پیدا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بچہ مسلمان بن کر پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کی پیدائش انسانی فطرت پر ہوتی ہے اوراسی انسانی فطرت کا دوسرا نام اسلام ہے۔اس کا فطری وجود،اس کی فطری خواہشات اور اس کی فطری جبلتیں خود بخود اسلامیات کی خاموش تصدیق کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ دور اور آج کا انسان فطرت کی تلاش میں میں نکل کھڑا ہوا ہے اور ہزار مخالفتوں اور زہریلے پروپیگنڈوں کے باوجود وہ فطرت یعنی اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہے۔ان میں بہت سارے وہ بھی ہیں جو عملاً تو مسلمان نہیں مگر اپنی عقل ودانش،مطالعہ اور مشاہدے کی وجہ سے ان کے تحت الشعور میں یہ بات رچ بس چکی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو تمام مسائل کا حل ہے اور اسی کے دامن میں سکون واطمینان ہے۔سطور ماسبق میں ہم نے جس تضاد کا تذکرہ کیا ہے وہ دراصل اسی تناظر میں کیا گیا ہے یعنی ایک طرف تو اسلام کے خلاف زہریلا اور مکروہ پروپیگنڈہ مگر اس کے باوجود دوسری طرف دنیا کی اسلام کی طرف واپسی۔

قرب قیامت کی نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ساری دنیا اسلام کی آغوش میں آجائے گی۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مبلغین کی ٹیمیں ملکوں ملک پھیل کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا بیڑہ اٹھائیں گی؟ کیا عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کا ایسا ادارہ قائم ہوگا جو دنیا کو اسلام کی طرف بلائے گا؟ تو پھر کیوں کر ساری دنیا مسلمان ہوجائے گی؟ وجہ وہی ہے یعنی فطرت کی طرف واپسی۔آج اہل دنیا،دنیاوی الجھنوں سے اس قدر تنگ آچکے ہیں کہ انہیں سکون کی تلاش ہے،وہ روحانیت کا شجر سایہ دار ڈھونڈ رہے ہیں اور دنیا کی ظاہری آسودگیوں سے ان کا دل اضطراب سے بھر چکا ہے۔بلاشبہہ دنیا ترقی تو کر رہی ہے اور آج کا انسان بے تحاشہ اس کے پیچھے بھاگتا جارہا ہے۔ترقی کی اس طمع نے اس کو غیر فطری طریقوں میں بہت اندر تک ڈھکیل دیا ہے اور جب یہی غیر فطریت،عفریت بن کر اس کا ذہنی سکون درہم برہم کرتی ہے تو وہ اس سے نکل کر ایسے راستے پر چلنا چاہتا ہے جو اس کی روح کی بے قراریوں پر مرہم رکھ دے تو نتیجتاً فطرت کی راہ میں ہی اسے عافیت نظر آتی ہے۔

آج کی دنیا بڑی باشعور دنیا ہے وہ نہ تو ہر کس وناکس کی بات پر کان دھرتی ہے اور نہ کسی کے مدح وذم پر آنکھ بند کر کے ایمان لاتی ہے۔اس کی بہت واضح شہادت آج کے حالات ہیں کہ اسلام کے خلاف پوری دنیا میں طوفان بدتمیزی برپا ہے مگر پھر بھی یہ دنیا اسلام کے گرد جمع ہو رہی ہے۔آج کا انسان پروپیگنڈے سے قطع نظر مطالعے،مشاہدے اور تجربے کی شاہراہوں سے گزر کر ہی کوئی فیصلہ کر رہا ہے۔دعوت وتبلیغ کے معاملے میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ آج جو لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں یا کرنے کے لیے پابہ رکاب ہیں وہ سب کا سب مبلغین کی رہین ملت ہے بلکہ اس کے پیچھے اسی فطرت کی کارفرمائی ہے جس پر انسان کا لاشعور تخلیق ہوا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ذہن میں یہ سوال سر ابھارتا ہے کہ کیا آج غیر مسلموں کا قبولیتِ اسلام کی طرف رجحان اسلام کی حقانیت کی وجہ سے ہے یا اس فطرت کی وجہ سے جسے وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسلام کی طرف آپہنچے ہیں۔موجودہ احوال کا تجزیہ کرنے اور نومسلموں کی روداد کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ آج غیر مسلموں کا تیزی سے اسلام کی طرف لپکنا دراصل اسلام کی حقانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کے دین فطرت ہونے کے سبب ہے کہ انہیں دنیا کے مسائل کی ضرب اور اس کی بحرانیت نے مجبوراً اسلام کے قریب کر دیا ہے۔اسلام کی حقانیت تو ان پر اسلام کے قریب ہونے کے بعد منکشف ہوتی ہے۔آپ خود اندازہ کیجیے کہ جب پریشان حال انسان مصیبتوں میں الجھا ہوتا ہے،اس کی نفسیاتی دنیا زیروزبر ہو رہی ہوتی ہے ،مادیت کا سفر طے کرنے کے بعد اور حالات کے تھپیڑوں سے شکست کھاجانے کے بعد جب اس کا سکون واطمینان غارت ہوجاتا ہے اور جب اس کی روح زخمی ہوجاتی ہے تو وہ اس منزل کو بڑی بے چینی سے ڈھونڈتا ہے جہاں اس کے رستے زخموں کا مداوا ہو سکے اور اسے سکونِ قلب کی دولت بے مایہ مل سکے۔نفسیاتی خلجان سے پریشان جب وہ سکون کی تلاش میں اپنے اردگرد کا جائزہ لیتا ہے ایسے سائے کو تلاش کرنا چاہتا ہے جہاں اسے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں مل سکیں اور اس کی روح کی بے قراری کو دور کر سکیں تو وہ دنیا کے تمام مذاہب کا جائزہ لیتا ہے اور دھیرے دھیرے اسلام کی طرف بڑھتا ہے۔اسلام کی طرف اس کی یہ آتش شوق اس وقت مزید فزوں تر ہوجاتی

ہے جب اس کے اردگرد اسلام کے پروپیگنڈوں سے اس کی ذہنی فضا بوجھل ہوتی ہے مگر پھر بھی ساری جگہوں سے مایوس ہوکر اور سارے افکار اور ازم کی خاک چھاننے کے بعد جب وہ غیر جانب داری سے اسلام کا مطالعہ کرتا ہے اور جب وہ اس کی گہرائی میں اترتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ میرے سارے مسائل کا حل یہیں تو ہے اور پھر جوں جوں اس کا مطالعتی سفر آگے بڑھتا ہے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس سائے کی تلاش میں ذہنی سفر کرتا رہا، وہ تحریکوں، مذہبوں اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظریات کی چوکھٹ پر اپنی جبیں پٹختا رہا اور اپنی ساری الجھنوں، مصائب اور مسائل کا حل ڈھونڈتا رہا وہ اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہے۔ اور اس کے بعد پھر.................. اس کے دل کے ساز پر اسلام کا نغمہ ابھرنے لگتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی تلاش میں ہے اور یہ خیال یک گونہ صحیح بھی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ دنیا سکون کی تلاش میں ہے اور سکون صرف اور صرف اسلام میں ہے یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان فطرت کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور فطرت کا تعاقب کرتے کرتے وہ اسلام کی وادیوں میں داخل ہو رہا ہے۔ اس کے بعد جب اسلامی احکام کی زرخیزی اور معنویت اس کے ذہن ودماغ پر چھا جاتی ہے تو پھر وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہوجاتا ہے۔ آپ صغریٰ، کبریٰ لگا کر نتیجہ لگالیں گے کہ بات تو وہی ہوئی میں کہوں گا کہ پریشان حال انسان کی پہلی ضرورت حقانیت نہیں، طمانیت ہوتی ہے اور یہ طمانیت صرف اور صرف اسلام کا حصہ ہے۔ اس تناظر میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آج لوگوں کا قبولیت اسلام کی طرف بڑھتا ہوا رجحان دراصل اسلام کے فطرت انسانی کے موافق ہونے کی وجہ سے ہے اسلام کی حقانیت اس وقت اس کے ذہن میں ثانوی درجے میں ہوتی ہے۔ اس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ آج کا مضطرب انسان پہلے اسلام کی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے اور اس کی قبا اس کے مسائل اور فطرت پر بالکل فٹ محسوس ہوتی ہے تو پھر اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو نجات دہندہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ میرا ذاتی خیال ہے قارئین کے لیے حق اختلاف محفوظ ہے۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کے بارے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ عزوجل نے اسلام کے تحفظ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ اس کے پس پشت بھی اسلام کے انہیں فطری عناصر کی جلوہ نمائی ہے۔ معاذ اللہ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام کی دوسری خوبیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی دوسری خوبیاں بھی دراصل معنوی طور پر اسی فطرت سے باہم پیوست ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ کہنا درست ہے فطرت انسانی جو اسلام کی اساس ہے اسلام کی ایسی بنیادی نمایاں خوبی ہے کہ آج کا انسان مجبور ہوکر اس سے ہم رشتہ ہونا چاہتا ہے۔

علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی کتاب HOW TO PREACH ISLAM دراصل اسلام کی اسی فطری خوبی کا ابلاغ ہے۔ کتاب کا اردو ترجمہ ڈاکٹر خورشید احمد سعیدی (اسلام آباد، پاکستان) نے کیا ہے اور ناشر دارالسنیہ، ناگپاڑہ ممبئی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ طیبہ ۱۲۶/کامبیکر اسٹریٹ ممبئی سے بھی دستیاب ہوسکتی ہے. ان کی یہ کتاب واقعۃً اس طرح کی ہے کہ اسے اسلام کا صحیح تعارف نامہ کہا جانا چاہیے۔ انہوں نے منطقی اور سائنسی انداز میں اسلام کی حقانیت یعنی اس کے دین فطرت ہونے پر اس طرح گفتگو کی ہے کہ بڑا سے بڑا فلسفی بھی ان کے استدلال کو رد نہیں کرسکتا۔

مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کا اسم گرامی زبان پر آتے ہی ذہن میں ایسی شخصیت جگمگا اٹھتی ہے جو دعوت وتبلیغ کے حوالے سے پوری دنیا میں جانی پہچانی جاتی ہے۔ ان کی تبلیغی مساعی نے لاکھوں دلوں میں اسلام کی شمع روشن کردی اور اپنے بعد آنے والے مبلغین کے لیے ایسے خطوط مرتسم کردیئے جو دعوتی سفر میں ان کے لیے زادراہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ کتاب مبلغین کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے ہر مبلغ کے لیے اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ حضور مبلغ اسلام نے سائنسی اور منطقی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو اسلام کی ضرورت کیوں ہے؟ اسلام دین فطرت کیسے ہے اور دوسرے تمام مذاہب وادیان قابل عمل ولائق تقلید کیوں نہیں ہیں؟ اس میں کل آٹھ سبق ہے جو سب کے سب پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری یہ تحریر اس کتاب پر کوئی تبصرہ یا کوئی تعارف نہیں بلکہ اس کے بعض اقتباسات کے مطالعے کے بعد علامہ کی فکری سطح کو مزید واضح کرنے اور اس کی فکری لو سے کچھ نور کشید کرنے کی ایک ادنیٰ سی سعی ہے۔ اب یہ فیصلہ قارئین کے سر ہے کہ میرے قلم کی روشنائی نے مبلغ اسلام کی فکری اور معنویاتی سطح کو کہیں دھندلا تو نہیں کیا ہے؟

﴿......﴾

پیش رفت

تحریک سنی دعوت اسلامی کا ۲۰واں سالانہ عالمی اجتماع

از: مظہر حسین علیمی

عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی کا ۲۰/واں سالانہ سنی اجتماع قاری خوش الحان حضرت حافظ وقاری ریاض الدین اشرفی کی تلاوت سے شروع ہوا۔ بلبل باغ مدینہ الحاج محمد رضوان خاں صاحب نے نعتیہ کلام پیش کیا بعدہ مبلغ سنی دعوت اسلامی الحاج سید احمد صاحب نے دعائیہ کلمات کے ساتھ اجتماع کا باضابطہ آغاز کیا۔ آپ نے دعا قبول کیسے ہو؟ اور پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں؟ نیز میاں بیوی کے حقوق پر تفصیلی خطاب فرمایا۔

قائد تحریک حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری رضوی نے ''تربیت اولاد میں ماں کا کردار'' کے عنوان پر خواتین اسلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تاریخ گواہ ہے کہ جتنے بھی داعیان دین کامیاب ہوئے ہیں ان میں ماں کی تربیت کا رول سب سے اہم رہا ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ ابن زبیر کو حجاج بن یوسف کے خلاف دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کس حد تک فرمائی کہ تم اگر حق پر ہو تو قتل کیے جانے سے گھبراؤ نہیں کیوں کہ بکری جب ذبح کردی جائے تو پھر چاہے اس کی کھال نکالی جائے یا اس کے جسم کو پارہ پارہ کیا جائے اسے اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔ اے خاتون جنت کی کنیزاؤ! آج پھر بچوں کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے ان ماؤں کے کردار اپنانے کی ضرورت ہے۔ آج مائیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو موبائیل اور انٹرنیٹ کے استعمال کی آزادی دے کر انہیں اسلامی تعلیمات اور نماز و دیگر عبادات کی پابندی سے صرف نظر کرتی ہیں جس کے نتیجے میں بچے تعلیم پر توجہ نہیں دے پاتے ہیں اور دوست بنانے کے چکر میں بہت کچھ گنوا بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اسلامی تربیت اور ان کی نگہ داشت پر توجہ دیں۔ حتی المقدور پیار اور محبت کے سائے میں ان کی تربیت کریں۔ ماں کی گود بچے کے لیے مدرسہ بھی ہے اور اسکول اور تربیت گاہ بھی ہے۔ آپ اپنے بچوں کو عاشق رسول بنا کر جنتی بنا سکتی ہیں۔ اور عدم توجہ کی بنا پر آپ کا بچہ جہنم کا ایندھن بھی بن سکتا ہے۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن نے خواتین اسلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خواتین اسلام نے ہر شعبۂ حیات میں نمایاں کردار ادا کیا جن کی مثال اقوامِ عالم میں نہیں مل سکتی۔ آپ صحابیات کی مقدس زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سیرت، فقہ، اسماء الرجال، شعر و ادب اور ریاضی و طب میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی تربیت سے درجنوں صحابیات نے مختلف علوم و فنون میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سید عالم کی وفات کے بعد ۴۸ سال تک طبقہ نسواں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے کم و بیش ڈھائی ہزار احادیث روایت فرمائیں۔ حضرت فاطمہ بنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غربت و افلاس کے باوجود صبر و تحمل کا عظیم مظاہرہ کیا اور اپنی آغوش محبت میں امام حسن اور امام حسین جیسے عظیم شہزادوں کو پروان چڑھایا۔ انسانی معاشرے کو بام عروج تک پہونچانے میں عورت کا کردار بہت اہم ہے، ماں اگر اولوالعزم اور حوصلہ مند ہے تو اس کی آغوش میں خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے فاتحین پروان چڑھیں گے۔ آپ نے فرمایا: ماں اگر عبادت گزار ہو اور ارتقا کے روحانی مدارج کو طے کرنے والی ہو تو اس کے بچے غوث الاعظم، داتا گنج بخش، خواجہ خواجگان، قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید اور نظام الدین اولیا بن کر ابھریں گے۔ مائیں اگر علم و فکر کی حامل ہوں تو ان کے بچے غزالی اور رازی بن کر نمایاں ہوں گے۔ خواتین کا یہ ایک روزہ اجتماع امیر سنی دعوت اسلامی کی رقت انگیز دعاؤں پر اختتام پذیر ہوا۔ آج کے اجتماع میں کم و بیش ایک لاکھ خواتین نے شرکت کی۔

اجتماع کا دوسرا دن: دوسرے روز مردوں کا اجتماع نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن سے ہوا۔ پھر حمد و نعت پیش کی گئی، لوگ اطمینان سے بیٹھے رہے پھر نماز اشراق و چاشت کی فضیلتیں بیان کی گئیں۔ پھر تمام حاضرین نے نماز اشراق و چاشت ادا کیا۔ دوسرا سیشن 9.30 پر شروع ہوا پھر جامعہ حرا مہاپولی بھیونڈی کے طالب علم نے نعت اور جامعہ غوثیہ ممبئی کے طالب علم محمد حسین نے ''علم دین کی اہمیت اور مقام علما'' پر حسین انداز میں بیان کیا۔ امتیاز رضا بھیونڈی نے ''محبت رسول'' کے عنوان پر مؤثر خطاب کیا پھر چند سنتیں بتائی گئیں۔ مولانا ابوالحسن نوری (بھیونڈی) نے نماز کی اہمیت کے عنوان پر خطاب فرمایا پھر جامعہ حرا مہاپولی کے طالب علم محمد سفیان نے عربی زبان میں مختصر خطاب کیا۔ پھر درس و تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ جناب محمد صادق رضوی نے ''ملٹی میڈیا اور ہم'' کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ پھر مولانا محمد قاسم ازہری دوبئ نے دعوت و تبلیغ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ مولانا ظہیر مصباحی (بھڑوچ) نے اختیاراتِ مصطفیٰ کے عنوان پر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی نے ''اسلام کا نظام عدل و مساوات'' کے عنوان پر تفصیلی خطاب کرتے ہوئے فرمایا: عدل و انصاف

انسانی معاشرے کے بقا اور ترقی کے لیے بے پناہ ضروری ہے۔ عدل کے بغیر انسانی معاشرہ حیوانات اور درندوں کے جنگل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسانی معاشرے کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے: عدل سے کام لو، عدل تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ جب تم فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

کسی معاشرے میں عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس معاشرے سے طبقاتیت اور ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ کیا جائے۔ کسی قوم کا احساس برتری عدل وانصاف کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے یہی وجہ ہے کہ احساس برتری کی شکار اقوام اپنے علاوہ دوسری اقوام پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔

اسلام نے اپنے نظام عدل کی بنیاد احترام آدمیت پر رکھی ہے۔ انسان کو خالق کائنات نے اپنی تخلیق کا شاہکار قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ "**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**" یعنی ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا فرمایا پھر ان کو ہر طرح کی نخوت، طبقاتیت، احساس برتری اور قومی عصبیت سے پاک کرنے کے لیے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ قرآن نے ارشاد فرمایا: ہم نے تمام انسانوں کو ایک ہی جان سے پیدا فرمایا۔ ان احکامات کا بنیادی مفہوم ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لیے انسانی شعور کو بیدار کرنا تھا۔ علامہ موصوف نے مزید فرمایا کہ جب تک دنیا کی تمام قومیں اسلام کے نظام عدل کو اختیار نہیں کریں گی ناانصافیاں اور خون آشامیاں بند نہیں ہوں گی۔ اسلام اور صرف اسلام حقیقی عدل وانصاف اور امن عالم کا ضامن ہے۔

علامہ نسیم اشرف حبیبی افریقہ ڈربن نے فرمایا: اسلام اللہ کا سب سے پیارا دین ہے۔ اسلام مکمل نظام حیات ہے، اسے اپنی زندگی کے ہر لمحے میں نافذ کرو۔ مغربی معاشرہ انتشار کا شکار ہے اگر مغرب کے لوگ اسلام کی حقانی تعلیمات کو اپنا لیں تو وہ معاشرہ اچھا ہو سکتا ہے۔ آج جس طرف نظر اٹھائیں ہر طرف برائی نظر آئے گی اس کا واحد سبب دنیا کی محبت ہے۔ اسلام دنیا کمانے سے منع نہیں فرماتا بلکہ دنیا میں مشغول ہو کر اللہ کو بھلا دینے سے منع کرتا ہے۔ اگر دنیا دین کے ساتھ ساتھ کمائے تو بہت اچھا ہے۔ امیر سنی دعوت اسلامی حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری نے اپنے خطاب میں فرمایا: تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص اللہ پر آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ خیر کی بات کرے یا خاموش رہے۔ آج آپسی انتشار ہو یا گھریلو کہرام یہ سب کچھ زبان کی بے راہ روی کا نتیجہ ہے اسی وجہ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چپ رہا اس نے نجات پالیا۔ یاد رکھیں! قرآن مقدس میں زبان کی استعمال کا قانون عطا کیا گیا ہے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: **وقولوا للناس حسنا**" لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اسی طرح جب بولو تو سچ بولو اس کا بھی حکم اللہ عزوجل نے سورۂ احزاب میں فرمایا ہے۔ آج جتنی اذیتیں انسان کو زبان سے پہونچائی جاتی ہیں اتنی کسی اور عضو سے نہیں۔ یاد رکھیں کسی مومن کی دل آزاری کرنا، خواہ وہ زبان سے ہو یا ہاتھ سے ہو یہ تعلیمات خدا اور سول کے خلاف ہے۔ ہم کو اپنی زبان سے اچھے کلمات کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ کم از کم خاموش رہ کر خود کو اور دوسروں کو معبودِ برحق کی رضا وخوش نودی کے کاموں میں کوشش کرنی چاہئے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آدمی زبان سے کسی کو گالی دیتا ہے، کسی پر تہمت لگاتا ہے، چغلی کرتا ہے، غیبت کرتا ہے، لیکن ان جرموں کی سزا پورے جسم کو بھگتنی پڑتی ہے اسی لیے جب صبح ہوتی ہے تو اعضائے بدن زبان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتے ہیں کہ اگر تو سلامت رہی تو ہم سلامت رہیں گے لہٰذا آج کے اس اجتماع میں عہد کرکے جاؤ کہ بولیں گے تو سچ بولیں گے ورنہ خاموشی کے ذریعہ نجات کا پروانہ حاصل کریں گے۔

اجتماع کا تیسرا دن: تیسرے روز کے اجتماع کا آغاز اذان تہجد ونماز تہجد سے ہوا تہجد کے فضائل بیان کیے گئے۔ محترم عظمت اللہ صاحب بنگلور حافظ محمد امین سورت نے صبر ونماز کے عنوان پر خطاب کیا۔ سید محمد امین القادری مالیگاؤں نے مریض کی عیادت پر خطاب کیا اور کہا کہ عیادت کرنے والے کے لیے فرشتے دعا کرتے ہیں۔ خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ نے ختم بخاری کرائی اور ۳۵ علما وحفاظ اور قرا کی دستار بندی ہوئی اور سند دی گئی۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ نے درجنوں سوالات کے جواب دیئے بعد عصر امیر سنی دعوت اسلامی حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری صاحب نے نزول عذاب الٰہی کے اسباب پر خطاب کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل کی ایک آیت کریمہ کی تلاوت کی کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ اس بستی میں نافرمانیاں کرتے ہیں تو وہ بستی عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتی ہے اور ہم اس کو تباہ وبرباد کر ڈالتے ہیں۔ انسان خوش حالی کو اور فراخی کو اللہ کی نعمت تصور کرتا ہے اور پھر اللہ کی اس نعمت کو عیاشیوں میں، اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنے کے باوجود کمی محسوس نہیں کرتا اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی کو گناہ کرنے کے باوجود خوشحالی میں دیکھو تو اللہ کی پناہ مانگو اس لیے کہ اللہ گناہوں کے باوجود جب فراخی کرتا ہے تو یہ اس کی سخت پکڑ کی علامت ہے۔ آج دنیا بھر میں سونامی، سیلاب، زلزلے یہ سب کچھ گناہوں کی پاداش میں ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مغربی دنیا سرمائے کی فراوانی پر اتراتے ہوئے کمزوروں پر ظلم اور زیادتی کا طوفان

کھڑا کیے ہے لیکن ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے زوال کا وقت آچکا ہے اس لیے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا ہے ان کے ظلم پر، بے شک اس کی پکڑ سخت ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ان غلط فہمیوں کے شکار لوگوں کو جو مال اور بیٹے اور جلد جلد بھلائیاں مل جانے پر اتراتے ہیں ان کے حوالے سے فرمایا: کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ مال و زر کے مل جانے کے بعد کسی کمزور پر کبھی ظلم نہ کریں، کبھی نہ اترائیں اور اگر ظلم و زیادتی کے باوجود انعام و اکرام کی بارش ہو رہی ہو تو اللہ کے خوف سے اور اس کی پکڑ سے پناہ مانگیں۔ آج کے اس روح پرور اجتماع میں میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ کبھی کسی کمزور پر طاقت رکھنے کے باوجود ظلم نہ کرنا اور مال و اولاد پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا۔ رسول رحمت کی رحمت کو عام کرنے کے لیے جد و جہد کریں اور دنیا کو بتادیں کہ ہمارے آقا کا نظام رحمت کتنا پیارا ہے۔

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی مدظلہ العالی نے اسلام کا نظام عدل کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آج عقل جدید کے پرستاروں کا سب سے بڑا اعتراض ہے کہ قرآن عظیم آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا، نزول قرآن کے دور میں زندگی محدود تھی اس کے مسائل اور تقاضے محدود تھے مگر آج جب دنیا بے پناہ ترقی کر گئی ہے تو کتاب الٰہی آج کے دور میں انسانی رہنمائی کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتی ہے، یہ سوال اس لیے وہ کرتے ہیں کہ وحی الٰہی اور انسانی قوانین کا فرق معلوم نہیں ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: دنیا کے کسی قانون میں جھوٹی گواہی کی سزا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جھوٹے گواہ فراوانی کے ساتھ مل جاتے ہیں اور عدلیہ کو گمراہ کرتے ہیں مگر اسلام میں جھوٹے گواہ کو بھی ۸۰ کوڑوں کی سزا کے علاوہ زندگی بھر کے لیے اسے مردود الشہادۃ قرار دیا جاتا ہے۔

علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے درود وسلام کے موضوع پر مختصر خطاب فرمایا اور امیر سنی دعوت اسلامی کی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ سنی دعوت اسلامی نے لاکھوں افراد کی تعلیم و تربیت کا انتظام اجتماع کی شکل میں کیا ہے۔ آج کے اجتماع میں عرب و عجم میں یکساں طور پر جانی اور پہچانی شخصیت حضرت شیخ ابوبکر بانی مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کیرلا، رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، حضرت مفتی سلیم صاحب، حضرت علامہ غلام غوث علوی اور ممبئی و بیرون ممبئی کے درجنوں علما اسٹیج پر موجود تھے۔ امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری کی رقت انگیز دعاؤں اور صلوٰۃ وسلام پر یہ اجتماع ختم ہوا۔ اجتماع کے آخری دن انسانی سروں کا سیلاب اُمڈ پڑا تھا، آزاد میدان تنگ دامانی کا شکوہ کر رہا تھا۔ ☆☆☆

جامعہ غوثیہ ممبئی کے طلبہ میں تقسیم انعامات

جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئی اپنی تعلیم و تربیت کی بنا پر ممبئی بلکہ مہاراشٹر کے اہم مدارس میں سے ایک ہے۔ اسے تحریک سنی دعوت اسلامی کا مرکزی ادارہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ ادارہ اپنی عمر کے ۱۷/ زینے طے کر چکا ہے۔ اس ادارے کی دو درجن شاخیں ملک کے مختلف گوشوں میں اشاعت دین و فروغ علم میں پیہم مصروف ہیں۔ تعلیمی معیار خوب تر کرنے کے لیے ادھر کئی سالوں سے محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی نگرانی میں ششماہی و سالانہ امتحان کے پرچے بن کر آتے ہیں پھر حضرت موصوف کی نگرانی میں کاپیاں چیک ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں ممبئی کے مدارس میں یہ اعزاز صرف اور صرف جامعہ غوثیہ کے طلبہ کو حاصل ہے، طلبہ میں تعلیمی ذوق مستحکم کرنے کے لیے ۴ دسمبر بروز سنیچر مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد میں منعقدہ اجتماع میں تقسیم انعامات کا پروگرام رکھا گیا اور ہر جماعت میں اول، دوم اور سوم پوزیشن آنے والوں کو تشجیعی انعامات امیر سنی دعوت اسلامی حضرت حافظ وقاری مولانا محمد شاکر نوری رضوی کے ہاتھوں دیے گئے۔ تمام طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو ''بہار شریعت'' کا سیٹ دیا گیا ہے۔ انعام پانے والے طلبہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

نمبر شمار	نام طالب علم	جماعت	مجموعی نمبر	فی صد
۱	سرفراز رضا	فضیلت	۵۷۳	۸۱٪۸۶
۲	ممتاز احمد	فضیلت	۵۵۴	۷۹٪۱۴
۳	عبد الکریم	فضیلت	۵۴۸	۷۸٪۲۹
۴	مشتاق نوری	سابعہ	۵۹۷	۷۴٪۶۳
۵	غلام رسول	سابعہ	۵۷۹	۷۲٪۳۸
۶	اصغر رضا	سابعہ	۵۶۶	۷۰٪۷۵
۷	محمد توصیف	خامسہ	۵۴۶	۶۸٪۲۵
۸	انظار عالم	رابعہ	۶۲۸	۷۸٪۵۰
۹	مہتاب عالم	رابعہ	۵۶۲	۷۰٪۲۵
۱۰	محمد وارث	رابعہ	۵۳۹	۶۷٪۳۸
۱۱	ذیشان علی	اعدادیہ	۷۰۲	۸۷٪۷۵
۱۲	محمد سجاد	اعدادیہ	۶۹۱	۸۶٪۳۸
۱۳	محمد عمران	اعدادیہ	۶۵۶	۸۲٪۰۰

ہر جماعت میں اول دوم سوم پوزیشن آئے طلبہ کو علی الترتیب ۷، ۵، اور ۴ کتابوں کا سیٹ دیا گیا۔ اللہ رب العزت ہمارے تمام طلبہ کو علم نافع کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین ﴿......﴾

منظومات

ذکر شہادت

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت
کس زباں سے ہو بیان عزوشان اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر وشان اہل بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن وعشق
کربلا میں ہورہا ہے امتحان اہل بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہل بیت
خشک ہوجا خاک ہوکر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبان اہل بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت
گھر لٹانا، جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت
سر شہیدان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدانے قدرو شان اہل بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں، بے باکیاں
لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ دشمنان اہل بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنادے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستان اہل بیت

نتیجہ فکر: استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی

ماہنامہ سنی دعوت اسلامی کی نذر

مظہر حسین صاحب! خط آپ کا ملا ہے
پڑھ کر دل محبت میں پھول بھی کھلا ہے
نکلے خدا کرے کہ وہ آپ کا رسالہ
رقصاں ہو میکدے میں انوار کا پیالہ
بزم جہاں میں ہے بھی آواز کی ضرورت
اہل وفا کو ایسے دم ساز کی ضرورت
جوہر نفس کو لطف اخلاص سے ملادے
گلزار عاشقی میں بیلاکا گل کھلادے
سنی کبھی کرم کے بادل کی چھاؤں میں تھے
احساس آرزو کی خوشیوں کے گاؤں میں تھے
دہشت زدہ جہاں کے ہیں کونے کونے میں اب
بارگراں الم کا سر پر ہیں ڈھونے میں اب
ہے درد دل کا پرچم اس کا بلند اتنا
ہے چرخ پرخوشی کا وہ مہر وماہ جتنا
جوعزم لے کر اٹھے ہیں آپ اے علیمی!
ہونے نہ پائے الفت کی آنچ اس کی دھیمی
کونین کی فضیلت ذکر رسول میں ہے
رونق جہان گل کی لالے کے پھول میں ہے
اسلام کی یہ دعوت ہر خاص وعام کو ہے
ہے صبح جانفزا کو اور غم کی شام کوہے
جب ڈاکیہ نے مجھ کو لاکر دیا لفافہ
دیکھا سر لفافہ پر اک سفید صافہ
نازاںؔ یہ کہہ رہا ہے لے لو سلام میرا
ہے نذر ماہنامہ تازہ کلام میرا

نتیجہ فکر: نازاں فیضی گیاوی، گیا بہار

قارئین کے خطوط وتاثرات

ادارہ

سنی دعوت اسلامی مبارک باد کی مستحق ہے

دعوت واصلاح انبیاومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور اہل ایمان پر عائد شدہ ایک اہم فریضہ ہے جسے بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے ہر داعی و مصلح کے اندر اخلاصِ قلب، دولتِ علم وفضل اور نعمتِ حکمت وبصیرت کا جوہر ہونا ضروری ہے اور ان صفات وکمالات کا سچا اظہار اور تائید ان کے کردار وعمل سے ہوتی ہے۔سنی دعوت اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع منعقدہ ممبئی (۳۰؍۳۱؍اکتوبر و یکم نومبر ۲۰۰۹ء) کے مختلف پروگراموں میں شرکت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ تمام شرکائے اجتماع دینی ذوق وشوق اور ارکان و رضا کارانِ سنی دعوت اسلامی نظم وضبط سے آراستہ ہیں۔علمائے کرام کے نورانی وعرفانی بیانات ان کے دلوں پر براہِ راست اثر کررہے ہیں۔حاضرین وشرکائے اجتماع نماز باجماعت کی پابندی کر رہے ہیں اور محققِ مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی سے کیے گئے سوالات کا اطمینان بخش جواب پاکر مرد وخواتین سب کے سب اپنی معلومات میں اضافہ کررہے ہیں۔امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر رضوی اور ان کے جملہ احباب ومخلصین و معاونین مسلمانانِ ہند کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔رب کائنات اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں سنی دعوت اسلامی کو شب وروز فروغ واستحکام بخشے۔

از: مولانا یٰسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی

....

تحریک کا مستقبل تابندہ ودرخشاں ہے

سنی دعوت اسلامی کے ۱۹؍ویں سالانہ اجتماع میں شریک ہوا بڑا ایمان پرور اور روح افزا منظر دیکھا دور ونزدیک کے بے شمار احباب و عوام اہل سنت نے اس مبارک اجلاس میں شرکت کی۔اجلاس کے اسٹیج سے میں نے مشاہدہ کیا کہ سامعین کے چہرے پُر رونق تھے اور اُن پر مسرت وشادمانی کے آثار نمایاں تھے جیسے یہ لوگ دین کی باتیں سننے کے لیے بے تابانہ حاضر ہیں اور مجمع کا عالم تھا کہ تاحد نظر سامعین کا ہجومِ عظیم تھا۔اتنا عظیم مجمع کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے یہ ساری کیفیات عوام وخواص وعلمائے کرام کی ایمانی توانائیوں کی نشاندہی کررہی تھیں اور غمازی کررہی تھیں کہ انہیں سنی دعوت اسلامی کی تحریک پر مکمل وثوق ہے۔اس تحریک کے مخلص قائد ومؤسس حضرت علامہ محمد شاکر رضوی دامت برکاتہ العالیہ کی قیادت پر پورا اعتماد ہے۔عوام وخواص وعلمائے کرام کے اس انداز سے اذعان ہوتا ہے کہ ان میں حرارتِ ایمان موجود ہے جس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سنی دعوت اسلامی کی یہ تحریک اپنے مقاصد عالیہ میں بڑی اچھی رفتار سے رواں دواں ہے اور اس کا مستقبل یقیناً تابندہ ودرخشاں ہے۔

از: مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ)

....

سنی دعوت اسلامی جماعت اہل سنت کی عظیم تحریک ہے

بحمدہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ناچیز کو سنی دعوت اسلامی کے اجتماع میں شرکت کی سعادت میسر ہوئی۔اجتماع اور اجتماع کے دوران شہر ممبئی کے مسلم علاقوں کو ایک نئے رنگ وکیف میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سنی دعوت اسلامی کی اثر انگیزی اور باطل کی پسپائی کا یقین توانا ہوگیا۔جماعت کے امیر مولانا شاکر نوری صاحب کی قائدانہ صلاحیت، مجاہدانہ عزم، سادہ و پرکار شخصیت، دین سے سچی محبت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا عشق ومحبت جماعت کو اوج ثریا تک لے جانے کی ضمانت ہے۔

دعوت وتبلیغ کے میدان میں اب ہماری جماعت نے اپنی برتری منوالی ہے، افراد تیار کرلیے ہیں جو شب وروز سرگرم عمل ہیں۔ضرورت ہے کہ سنی قوم سنی دعوت اسلامی کے ساتھ ہوجائے اور دنیا کو یہ پیغام سنادے کہ دین انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔دین کی روحانی قدریں اس دور کی مادیت زدہ سوسائٹی کو ابدی سکون عطا کرسکتی ہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ سنی دعوت اسلامی کو زندہ وتابندہ رکھے، دعات ومبلغین میں اخلاص وللٰہیت، بے لوثی، اور صبر وشکر کی خوبیاں عطا فرمائے۔

از: مولانا محمد نسیم اشرف حبیبی، ڈربن ساؤتھ افریقہ

انعامی مقابلہ نمبر(۱)

سوالات:

۱:توریت کتنے دنوں میں اورکون کون سے مہینوں میں نازل ہوئی؟ ۲:قوم عمالقہ کا دوسرا نام کیا ہےاور یہ قوم کس مقام پر آباد تھی؟ ۳:سب سے پہلے قلم سے کس نبی علیہ السلام نے لکھا؟ ۴: کتنے بادشاہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے؟ ان کے نام کیا ہیں؟ ۵:روح القدس کون ہیں؟ ۶:غلاموں میں سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ ۷:اسلام کی راہ میں سب سے پہلے کس خاتون نے جام شہادت نوش کیا؟ ۸:وہ کون سی نماز ہے جس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے؟

انعامات:

پہلا انعام : ۷/کتابوں کا سیٹ (۸/صحیح جوابات دینے پر)

دوسرا انعام : ۵/کتابوں کا سیٹ (۶ یااس سے زیادہ صحیح جواب دینے پر)

تیسرا انعام : ۳/کتابوں کا سیٹ (۵/یااس سے زیادہ صحیح جواب دینے پر)

ھدایات:

☆ سوال نمبر کے ساتھ جوابات صاف صاف تحریر کریں۔
☆ جوابات کے ساتھ نیچے دیا گیا کوپن پر کر کے بھیجیں، بغیر کوپن کے جوابات شامل مقابلہ نہیں کیے جائیں گے۔
☆ جوابات ۱۵/جنوی ۲۰۱۱ء سے پہلے پہلے ادارہ کو موصول ہو جانے چاہیے۔ ۱۵/جنوری کے بعد موصول ہونے والے جوابات شامل مقابلہ نہیں کیے جائیں گے۔
☆ جس لفافے میں جوابی پرچہ ارسال کریں اس پر اپنا مکمل پتہ ورابطہ نمبر صاف صاف تحریر کریں۔
☆ انعامات قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیے جائیں گے اور اس سلسلے میں ادارے کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔
☆ کتابیں بذریعہ پوسٹ روانہ کی جائیں گی۔

کوپن برائے انعامی مقابلہ نمبر(۱)

نام:.................................ولدیت.................................

عمر:.................................مشغلہ:.................................

پتہ:..

.................................پن کوڈ:.................................

ہمارا پتہ: Office Sinni Dawate Islami Monthly
Sayed Ashique Shah Bukhari Masjid 128.Shaida Marg Car Nal Dongri
Mumbai-9

ماہنامہ سنی دعوت اسلامی میں مندرجہ ذیل کالمز کے تحت مقالات شائع کیے جائیں گے۔

(۱)	**پیغام**	ہر ماہ امیر سنی دعوت اسلامی کی جانب سے کوئی مختصر پیغام۔
(۲)	**اداریہ**	عصری تناظر میں حساس موضوع پر۔
(۳)	**نور مبین**	قرآن وسنت کے دعوتی وتذکیری منہاج پر مضامین۔
(۴)	**استفسارات**	قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی روشنی میں قارئین کے سوالات کے اطمینان بخش جوابات۔
(۵)	**انوارِ سیرت**	رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کی حیات وخدمات پر مضامین۔
(۶)	**تزکیہ**	اصلاحی وتزکیاتی پہلو پر مضامین۔
(۷)	**دعوت دین**	تبلیغ کیسے ہو اس کے متعلق کسی بھی طرح کا مضمون۔
(۸)	**داعیان اسلام**	اسلام کے کسی بھی عظیم داعی کی حیات وخدمات کا تعارف۔
(۹)	**رضویات**	افکار امام احمد رضا پر تحقیقی مقالات ومضامین
(۱۰)	**روزن**	اہل علم اور دانش وروں کی کتابوں سے مضامین یا اقتباسات جو دعوت وتبلیغ اور اصلاح سے متعلق ہوں۔
(۱۱)	**دعوت عام**	کسی بھی عنوان پر مفید مضمون
(۱۲)	**عظیم مائیں**	ان خواتین کا تذکرہ جنہوں نے اشاعت اسلام میں اپنی خدمات پیش کیں۔
(۱۳)	**بزم اطفال**	بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت پر مشتمل مختصر مضامین، واقعات وحکایات وغیرہ
(۱۴)	**سخن فہمی**	کتابوں خصوصاً دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیہ سے متعلق کتابوں کا تعارف وخلاصہ یا تبصرہ وجائزہ
(۱۵)	**پیش رفت**	ملک وبیرون ملک ہونے والی سنی دعوت اسلامی ودیگر اداروں کی دعوتی، اصلاحی، تعلیمی اور فلاحی سرگرمیاں۔
(۱۶)	**دعوت نامے**	قارئین کے خطوط وتاثرات۔
(۱۷)	**منظومات**	حمد، نعت ومنقبت وغیرہ
(۱۸)	**انعامی مقابلہ**	قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ پر مشتمل سوالات

اہل قلم حضرات سے

☆ مضمون صاف اور خوشخط، کاغذ کے ایک طرف اور اگر ممکن ہو تو کمپوز کرانے اور نظر ثانی کے بعد بھیجیں۔ ☆ مضمون کے حوالے میں محولہ کتاب، اس کی جلد اور صفحات وغیرہ سے متعلق مکمل اطمینان ضروری ہے۔ ان چیزوں کے لکھنے میں صفائی تحریر کا خاص خیال رکھیں۔ ☆ دینی، علمی دعوتی اور اصلاحی موضوعات پر مضامین قلم بند کریں۔ اختلافی موضوع پر لکھتے وقت شائستگی اسلوب اور متانت تحریر کا خیال رکھیں۔ ☆ شخصیات اسلام پر لکھتے وقت دعوتی واصلاحی پہلو کو اجاگر کریں۔ ☆ جو مضمون یہاں بھیجیں اسے کسی اور جگہ برائے اشاعت ارسال نہ کریں۔ نہ ہی مطبوعہ مضمون بھیجیں، استثنائی صورتوں میں اگر ایسا کریں تو وضاحت ضرور کر دیں۔